April 2015

ماہنامہ سنی دعوت اسلامی

ممبئی

امام احمد رضا ایک کثیر التصانیف مصنف

حافظ دین وملت پہ لاکھوں سلام

اپنے عہد کی عظیم شخصیت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ کے عشق نبوی سے معطر چند گوشے

مکاتب کے ذمے داروں سے چند باتیں

ہماری دینی تعلیم کی بنیادیں اس وقت تک کمزور رہیں گی جب تک مکاتب کا نظام درست نہیں ہوگا

مشمولات

کالمز	عنوانات	قلم کار	صفحہ
پیغام	دیہاتوں پر خاص توجہ کی ضرورت	امیر سنی دعوت اسلامی	۵
اداریہ	امام احمد رضا: ایک کثیر التصانیف مصنف	توفیق احسؔن برکاتی	۶
نورِ مبین	کام کرنے والوں سے	صادق رضا مصباحی	۱۱
انوارِ سیرت	نبی مختار کی بشریت ونورانیت	مولانا سید اکرام الحق مصباحی	۱۴
تذکیر وتزکیہ	قرض کی شرعی حیثیت	مولانا ممتاز رضا نجمی	۱۹
استفسارات	شرعی احکام ومسائل	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۲۱
دعوت دین	مکاتب کے ذمے داروں سے چند باتیں	مولانا عبداللہ اعظمی نجمی	۲۴
داعیان اسلام	حافظ دین وملت پہ لاکھوں سلام	عطاء النبی حسینی ابوالعلائی	۲۷
رضویات	مفتی اعظم ہند اور صدر الافاضل: والہانہ لگاؤ	مولانا غلام مصطفی النعیمی	۲۹
بزم خطابت	اولاد کے ساتھ حسن سلوک	مولانا حبیب اللہ مصباحی ازہری	۳۳
دعوت عام	تحفہ: ایک انمول جذبہ	عبید انصاری ذیشان	۳۶
عظیم مائیں	اشاعت دین میں خواتین کا کردار	مشکوٰۃ جمال	۴۰
سخن فہمی	چند کتب فتاویٰ اور ان کے مصنفین	مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی	۴۳
بزم اطفال	نصیحت آموز حکایات	ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی ودیگر	۴۸
پیش رفت	دینی، دعوتی، علمی وتحریکی سرگرمیاں	ادارہ	۵۰
دعوت عام	قارئین کے خیالات وتاثرات	عطاء الرحمٰن نوری / محمد آزاد رضا	۵۵
منظومات	نعت / منقبت	عرفان احمد جاہدی / غیاث الدین نظامی	۵۸

از: مولانا محمد شاکر نوری (امیر سنی دعوت اسلامی)

دیہاتوں پر خاص توجہ کی ضرورت

ہندوستان کی سرزمین پر کم و بیش ۲۵ کروڑ مسلمان آباد ہیں۔ بڑے شہروں سے لے کر چھوٹے دیہاتوں تک یہ پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں بہت سارے ایسے بھی ہیں جو اسلام کی ابتدائی تعلیم سے بھی محروم ہیں، بس ان کے ماں باپ مسلمان تھے اور وہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے اس لیے معلوم ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ انھیں نہ اسلامی عقائد سے متعلق کچھ واقفیت ہے اور نہ مسائل کے متعلق۔ حد تو یہ ہے کہ قرآن مقدس تجوید کے ساتھ تو بہت دور کی بات ہے انہیں الف، با، تا، ثا بھی نہیں آتا۔ ایسوں کی تعداد کم و بیش ۶۰ تا ۷۰ فیصد کے قریب قریب ہوگی۔ شاید یہ تعداد آپ کو چونکا دے لیکن یہ حقیقت ہے، اس کا انکار آپ کا مشاہدہ اور تحقیق نہیں کر سکے گا۔ آپ ملک بھر کے علاقوں کا جائزہ لیں تو مسلمانوں کی آبادی کی اصل صورتِ حال واضح ہو جائے گی۔ بڑے شہروں میں بڑے اجتماعات اور جلسوں میں آنے والوں کی تعداد دیکھ کر اور اخبار میں پڑھ کر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ماشاءاللہ مسلمان بہت ہیں لیکن ان کی زندگی میں جھانک کر دیکھا جائے تو سمجھ میں آئے گا کہ وہ اسلام سے کتنے قریب ہیں اور جہالت سے کتنے قریب ہیں، انھیں اپنے عقائد اور اعمال سے کتنی واقفیت ہے انہیں کلمہ وغیرہ بھی یاد ہیں یا نہیں۔ ان کو ارکان صلوٰۃ اور فرائض غسل وغیرہ سے بھی آگاہی ہے یا نہیں۔ یہ منظرنامہ صاف بتا رہا ہے کہ ایک اسلامی ڈھانچہ تو سامنے موجود ہے لیکن اس کے اندر اسلامی رَمق موجود نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو راہِ ارتداد پر لے جانا آسان ہو جاتا ہے۔

میں آپ کو اپنا تجربہ بتاؤں، راجستھان میں ایک بڑا شہر ہے۔ وہاں کے سنی دعوت اسلامی کے ذمہ دار نے مجھ سے کہا کہ حضرت! آج آپ ہمارے ساتھ دو دیہات کا دورہ کریں اور وہاں مسجد و مدرسہ کا سنگ بنیاد بھی رکھیں۔ میں ان کے ساتھ پالی سے کم و بیش ۶۰ کلومیٹر دور ایک دیہات پہنچا۔ میں نے اس گاؤں کی آبادی کے حوالے سے لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہاں پر ۶۰ گھر مسلمانوں کے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ نماز تراویح اور تعلیم کا کیا انتظام ہے؟ جواب ملا کہ ہمارے گاؤں میں نہ مسجد ہے نہ مدرسہ اور نہ مولانا۔ میں نے کہا جمعہ و عیدین وغیرہ کا کیا کرتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ عید کے لیے قریب کے کسی علاقے سے امام لے آتے ہیں اور وہ عید کی نماز پڑھا دیتے ہیں۔ یہ سن کر میں دم بخود رہ گیا۔ ان ۶۰ خاندانوں کے حال و مستقبل کے بارے میں سوچ کر اور ان کے تحفظ ایمان و اسلام کے لیے اسی وقت وہاں پر طے شدہ جگہ پر مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ **فللّٰہ الحمد**۔ پھر ہم لوگ وہاں سے کم و بیش ۴۰ کلومیٹر کی دوری پر ایک دیہات میں گئے وہاں پر بھی مسلمانوں کے ۵۰ گھر ہوں گے لیکن اسلامی تعلیم و عبادت سے متعلق بنیادی سہولیات بالکل نہ تھیں۔ وہاں بھی ضرورت کے پیش نظر طے شدہ مقام پر مدرسے کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ آج الحمدللہ! دونوں علاقوں میں مسجد و مدرسہ کا کام مکمل ہو چکا ہے اور افتتاح بھی ہو چکا ہے۔ الحمدللہ! سنی دعوت اسلامی پالی شاخ کے زیر اہتمام کم و بیش ۲۵ دیہاتوں میں اسی طرح مسجد و مدرسہ و مکاتب قائم کیے گئے ہیں۔ یہ تو مشاہدے کی بات ہے۔ آپ سروے کریں تو ملک میں اس طرح کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں دیہات ملیں گے جہاں پر ایسے ہی حالات ہوں گے۔ لہٰذا ہمیں اپنی اپنی بساط کے مطابق ان علاقوں کا سروے کر کے وہاں معلم، مبلغ، مدرسہ، مسجد کا قیام عمل میں لانا چاہیے تاکہ ان کا ایمان بھی محفوظ ہو اور ان نسلوں میں اسلام کی رمق باقی رہے۔

میں جملہ غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گزارش کرتا ہوں خاص کر ملک میں پھیلے ہوئے دارالعلوم اور مساجد اور تنظیموں کے ذمہ داروں سے کہ خدارا دیہاتوں پر توجہ دیں، طلبا، معلمین، ائمہ اپنے اپنے دائرے میں آنے والے دیہاتوں میں جا کر عوام الناس کو ابتدائی اسلامی تعلیم سے آراستہ کریں، انھیں عقائد، تلاوت قرآن، نماز وغیرہ کے مسائل بتا کر ان کا ایمان محفوظ کریں اور جو مراسم اہل سنت ہیں انہیں رائج کریں۔ جیسا کہ حضور مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے افریقہ کے دیہاتوں میں میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفلیں منعقد کیں اور تعلیم اسلام کا انتظام بھی کیا۔ اگر ایسا ہم نے کر لیا تو اللہ عزوجل اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی ہو جائیں گے۔ ان شاءاللہ

●●

امام احمد رضا: ایک کثیر التصانیف مصنف

توفیق احسن برکاتی کے قلم سے

انیسویں صدی کا نصف آخر اور بیسویں صدی کا نصف اول پورے عالم اسلام کے لیے عموماً اور مسلمانان ہند کے لیے خصوصاً بڑے ابتلا و آزمائش اور مذہبی انقلابات کا دور تسلیم کیا گیا ہے، دنیا کی سب سے بڑی سنی اسٹیٹ سلطنت عثمانیہ ترکیہ کا انگریزوں، یہودیوں اور یورپین ممالک کی پیہم سازشوں اور چیرہ دستیوں کی وجہ سے شیرازہ منتشر ہو چکا تھا، عرب ممالک افتراق وانتشار کا شکار ہو کر مختلف آزاد مملکتوں میں تقسیم ہو چکے تھے، افریقی ممالک میں اٹلی، فرانس، جرمنی اپنا نو آبادیاتی نظام مسلط کر چکے تھے، ملک ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی اور سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد برطانوی سامراج سفید وسیاہ پر قبضہ جما چکا تھا، نجد وحجاز کی مقدس سرزمین کو ۱۹ویں کے آغاز ہی میں خاک وخون میں نہلا دیا گیا تھا، ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء میں آل سعود نے طائف، مدینہ، مکہ پر ظالمانہ حملہ کیا، مقدس مقامات کی مسماری، علماے اہل سنت اور سادات کرام کا قتل عام اور حرمین شریفین پر ناجائز قبضہ ان کی تاریخ رہی ہے، اگر چہ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء میں اللہ تعالیٰ نے ان کا زور توڑ دیا اور ان کے شہروں کو مسمار کر دیا اور پاک باز لشکر کو ان پر فتح نصیب ہوئی، لیکن ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں جب کمال پاشا نے ترکی کے بقیہ حصہ پر غیر اسلامی قانون رائج کیا تو اس کے بعد حرمین شریفین کا کوئی محافظ نہ رہ گیا، میدان خالی پا کر انگریزوں کی شہ پر نجد کے بھیڑوں نے دوبارہ ۱۹۲۵ء کے آخر میں مملکت حجاز پر فوج کشی کی، شریف حسین والیِ حجاز گرفتار ہو کر ایک گم نام جزیرے قبرص میں نظر بند کر دیا گیا اور وہیں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا بیٹا شریف علی چند روز کے لیے تخت حجاز پر بیٹھا، مگر جلد ہی آل سعود کے ہاتھوں شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ اس کے بعد ابن سعود نے مقدس مقامات اور اسلامی آثار کی ظالمانہ انہدامی کاروائیوں کا جو سلسلہ شروع کیا، وہ تاریخ کا انتہائی دردناک اور خوں آشام باب ہے۔ اس کی تفصیل ''تاریخ نجد وحجاز''، ماہ نامہ رضوان، لاہور جولائی ۱۹۶۲ء اور دیگر کتب ورسائل میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے بھی اپنی کتاب ''فتاویٰ شامی'' میں جلد دوم ص: ۴۷۸ پر چند حقائق بیان کیے ہیں، مولانا بدرالدین قادری علیہ الرحمہ نے ''سوانح اعلیٰ حضرت'' ص: ۱۵۰ تا ۱۵۶ پر وہی سچائیاں پیش کی ہیں۔ ترکی، افریقہ، حجاز ونجد اور متحدہ ہندوستان کے اس وقت کے سیاسی وعسکری حالات پر ہم نے اجمالاً روشنی ڈالی ہے۔ سیاسی اور حکومتی اتھل پتھل، طاغوتی قوتوں کا جبر واستبداد مذہبی معمولات ومعاملات میں بھی کافی زیادہ دخیل رہا ہے، انھیں قوتوں کے بطن سے مذہب کے نام پر اٹھنے والے فتنے بھی باہر آئے اور دنیا کے اسلامی سمندر میں طوفان برپا کر دیا، نجد کی سرزمین کا سب سے بڑا فتنہ وہابیت سب کا سرخیل ثابت ہوا، آل سعود کی حکومتی سرپرستی میں خوب پھلا پھولا، متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کی شہ پر اور ان کی مالی امداد کی بدولت اسے امپورٹ کیا گیا اور اس کی تحریراً وتقریراً نشر واشاعت ہوئی، اسی کے شکم سے نیچریت، قادیانیت، اور دیگر فتنے پیدا ہوئے اور مذہب حق بازیچۂ اطفال بن گیا، ہندوستانی مسلمانوں کی حالت سیاسی اور معاشی اعتبار سے بھی ابتر تھی، انگریز اور ہندو مل کر ان کے مفادات پر یلغار کر رہے تھے، یہ ۱۹ویں صدی اور ۲۰ویں صدی میں مسلمانوں کے عالمی حالات کا اجمالی تذکرہ ہے۔

مجدد اعظم، فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ/۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے اور ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ان کا وصال ہوتا ہے، اس عالم رنگ وبو میں ان کے قیام کا وقفہ سن عیسوی کے لحاظ سے ۶۵ برس اور سن ہجری کے لحاظ سے ۶۸ برس ہوتا ہے، ان کی مکمل سوانح سے قطع نظر راقم ان کی دینی وملی خدمات اور علمی کمالات سے متعلق چند حقائق پیش کرنا چاہتا ہے، فقہ وافتا میں ان کی مہارت، تصنیف کتب ورسائل میں ان کی سرعت تحریر، زود نویسی اور اخاذ طبیعت کی جلوہ افروزی، تحقیق وتدقیق اور تاریخی شعور میں ان کی یگانگت ایک مثال بن چکی ہے، اطمینان قلب کے لیے دو شہادتیں پیش خدمت ہیں۔

بدرِ ملت علامہ بدرالدین قادری رقم فرماتے ہیں:

''الغرض اعلیٰ حضرت کا علمی پایہ اتنا بلند ہے کہ جلیل القدر علما فرماتے تھے کہ گزشتہ دو صدی ۱۲۰۰ھ و ۱۳۰۰ھ کے اندر کوئی ایسا جامع عالم نظر نہیں آیا، موافق کا تو کہنا کیا، خود مخالفین بھی اعلیٰ حضرت کا علمی لوہا تسلیم کرتے تھے۔''

(سوانح اعلیٰ حضرت، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی، جنوری ۲۰۰۲ء، ص:۱۰۸)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''آپ کی تصانیف کا شمار بروایت حضرت شیر بیشہ اہل سنت لکھنوی علیہ الرحمہ ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ ائمہ متأخرین میں امام جلال الدین سیوطی مجدد قرن عاشر علیہ الرحمہ کے بعد کسی کے متعلق نہیں سنا گیا کہ وہ کثرت تصانیف میں اعلیٰ حضرت کا مقابل ہو۔'' (ص:۱۳۳)

علامہ بدرالدین قادری مجدد اعظم امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے مستند سوانح نگار ہیں، انھوں نے معتبر شواہد و حوالہ جات کی روشنی میں آپ کی دستاویزی سوانح مرتب کی ہے، درج بالا دو شہادتیں اسی سے ماخوذ ہیں، دو شواہد مزید حاضر خدمت ہیں تاکہ حقائق کی تفہیم میں جانب داری کا الزام نہ رکھا جا سکے، دیوبندی جماعت کے مشہور عالم مولانا ابوالحسن ندوی سابق ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ لکھتے ہیں:

''وہ (امام احمد رضا) نہایت کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور متبحر عالم تھے، رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف و تالیف میں جامع فکر کے حامل تھے، ان کی تالیفات و رسائل کی تعداد سوانح نگاروں کی روایت کے مطابق پانچ سو ہے۔ جن میں سب سے بڑی کتاب فتاوی رضویہ کئی ضخیم جلدوں میں ہے۔ فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر معلومات کی حیثیت سے اس زمانے میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کے فتاویٰ اور '' **کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم**'' (۱۳۲۳ھ، مکہ مکرمہ) اس پر شاہد عدل ہیں۔ علوم ریاضی، ہیئت، نجوم، توقیت، رمل، جفر میں انھیں مہارت تامہ حاصل تھی۔'' (نزہۃ الخواطر، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد۔ ۱۹۷۰ء ص:۴۱ ج:۸)

مولانا ابوالحسن ندوی نے آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو بتائی ہے حالاں کہ تازہ ترین تحقیق کے مطابق امام احمد رضا قادری کی کتب و رسائل اور تفسیر و حواشی کی مجموعی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ آپ کی فقہی و کلامی تحقیقات اور علوم دقیقہ میں آپ کی مہارت کاملہ کی گواہی موافقین و مخالفین سب نے دی ہے۔ تحریر کی گہرائی، مطالعہ کی وسعت، جزئیات پر کامل دسترس، حقائق و معارف پر کڑی نگاہ، تاریخ سے اعلیٰ درجے کی شناسائی، علوم نقلیہ کے ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی کے جدید و قدیم مسائل سے بھرپور آگاہی امام احمد رضا کی پہچان ہے، ایک زمانہ ان کی تبحر علمی کا قائل رہا ہے، شبلی نعمانی کے دست راست مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے:

''جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر تو میرے استاذ مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی اور علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتابوں کے اندر بھی نہیں۔'' (ماہ نامہ ندوہ، اگست ۱۹۱۳ء)

یہ چاروں شہادتیں دعاوی کی حیثیت رکھتی ہیں، اب ہم شواہد و دلائل کی روشنی میں مذکورہ بالا دعوؤں کی تصدیق و تصویب کے لیے حقائق پیش کر رہے ہیں جو امام احمد رضا کی زندگی اور ان کی علمی و قلمی خدمات سے چنے گئے ہیں۔ اس سے قبل ایک تمہیدی گفتگو ملاحظہ کر لیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی مختصر تحریر میں جو چار نام موجود ہیں وہ بھی اپنے عہد کے مشہور مصنفین میں شمار کیے جاتے ہیں، سرسید احمد خان، مولانا ابوالکلام آزاد، اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی کو بھی اس فہرست میں جوڑ دیا جائے اور پھر بہ نظر غائر ان حضرات کی تحریر کردہ کتب و رسائل کا تجزیہ کیا جائے تو تصانیف کی تعداد کے لحاظ سے ان ساتوں میں سے کوئی بھی امام احمد رضا کے مقابل ٹھہرتا نظر نہیں آتا، اور اگر موضوعاتی لحاظ سے ان کی تحریروں کا جائزہ لیا جائے تو فقط تاریخ، تذکرہ، تحقیق، تنقید، شعر و ادب، سیرت، تفسیر وغیرہ علوم و فنون میں انہیں تقسیم کر کے تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ آثار الصنادید اور اسباب بغاوت ہند میں سرسید کا تاریخی شعور بہ ظاہر نکھرا نظر آتا ہے مگر تفسیر قرآن میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ سرسید مغربی تہذیب و تمدن سے کافی متاثر نظر آتے ہیں، ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں انگلینڈ جا کر جو کچھ مطالعہ و مشاہدہ کرتے ہیں اسے اپنے دماغ و فکر میں بسا کر جب ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء میں ہندوستان واپس آتے ہیں تو خود ساختہ نیچری فکر پیش کرتے ہیں اور گمراہی کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، ان کے تعلیمی نظریات میں بھی انگریزوں کی حمایت و مداخلت کار فرما دکھائی دیتی ہے۔ حیات جاوید مولفہ مولانا الطاف حسین حالی میں یہ حقائق ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی اعظمی جو انگریزی حکومت کے خطاب یافتہ شمس العلماء اور ندوہ لکھنؤ کے کرتا دھرتا تھے، انھوں نے بھی سرسید کی

نیچری فکر کو آگے بڑھایا، موازنہ انیس و دبیر اور شعر العجم میں ان کی تاریخی وتنقیدی بصیرت کی کافی شہرت ہوئی، مگر سیرۃ النبی میں من مانی تاویلات اور معجزات نبوی کے انکار نے سنجیدہ علمی حلقوں میں ان کا باطن ظاہر کر دیا۔شبلی نعمانی کی حدیث فہمی اور تاریخ دانی مسلسل لغزشوں کا شکار رہی ہے۔مولانا ابوالکلام آزاد کو جواہر لال نہرو اور مسٹر گاندھی کی رفاقت اور غبار خاطر کی نثر سے کافی تعارف ملا، ان کے تعلیمی نظریات کی بھی دھوم رہی مگر وہ وہابیت سے الحاد تک جا پہنچے، '' آزاد کی کہانی آزاد کی زبانی '' میں یہ اعترافات پڑھے جا سکتے ہیں۔انہوں نے تفسیر قرآن لکھی اور جا بجا تفسیر بالرای کا شکار ہوئے اور من مانی تاویلات میں الجھتے رہے۔مذکورہ مصنفین کی تصانیف کی مجموعی تعداد امام احمد رضا کی تحریر کردہ کتابوں کی ربع بھی نہیں ہوتی۔

گیارہویں صدی کے کثیر التصانیف مجدد دین امت اور علمائے اہل سنت میں مجدد الف ثانی (دو درجن کتب)،محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۱۶ کتب)، علامہ میر عبدالواحد بلگرامی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ایک درجن سے زائد کتابیں) اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہم الرحمہ کا نام لیا جائے اور ان کی تصانیف کا موضوعاتی جائزہ پیش کیا جائے تو فقہ، اصول، حدیث، تفسیر، تاریخ، تذکرہ، کلام، تصوف، اور رد بد مذہباں میں ان حضرات کی کتابیں ملتی ہیں، علوم وفنون کی دیگر شاخیں وہاں نظر نہیں آتیں، چند کا تذکرہ تو ملتا ہے، مگر مستقل تصانیف نہیں ہیں۔فتنۂ وہابیت کی سرکوبی اور تقویۃ الایمانی سلسلے کی روک تھام کے لیے اولین کوشش کرنے والوں میں مجاہد آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی (اندازاً درجن سے زائد)، مولانا شاہ فضل رسول بدایونی (۲۲ کتب)، مولانا عبدالرحمان فاروقی، مولانا خیر الدین کلکتوی کا نام سرفہرست آتا ہے، اوران کی تصنیفات'' **تحقیق الفتوىٰ فی ابطال الطغوىٰ** ، **امتناع النظير** ، **سيف الجبار** ، **المعتقدالمستند** اور **سيف الابرار** '' آج بھی لاجواب شمار کی جاتی ہیں۔ خانوادۂ برکاتیہ، بلگرام ومارہرہ، خانوادۂ خیر آباد، خانوادۂ ولی اللٰہی، اور خانوادۂ بدایوں میں ایک سے بڑھ کر جلیل الشان اور عظیم المرتبت علما وارباب فکر دکھائی دیتے ہیں اور ان کی تصانیف کو علمی دنیا میں احترام کی نگاہ سے کل بھی دیکھا گیا ہے، آج بھی دیکھا جاتا ہے، مگر موضوعات کی رنگارنگی اور فنی تنوع ان کے یہاں بہت زیادہ نظر نہیں آتا، مختلف نایاب فنون پر مستقل تصانیف تو دور کی بات ہے۔یہ نہ ان کی توہین ہے نہ تمسخر، ان کا علمی کام قابل قدر ہے، ان کے احسانات پوری علمی دنیا پر آج بھی باقی ہیں اور ان کی خدمات جلیلہ کے اثرات کی چمک کبھی کم نہ ہوگی۔مگر امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی بات یقیناً اور ہے، علوم نقلیہ میں دور دور تک ان کا کوئی شریک وسہیم دکھائی نہیں دیتا اور علوم عقلیہ قدیمہ وجدیدہ میں تو وہ یکتا اور وحید عصر تھے اور ہیں، مولانا ابوالحسن علی ندوی نے جن علوم کا نام اپنی تحریر میں پیش کیا ہے اگر بہ طور استشہاد صرف انہیں پر بحث کی جائے تو یہ مقالہ طویل ہو جائے گا، پھر بھی اشارۃً چند حقائق پیش کیے جاتے ہیں۔ریاضی، ہیئت، نجوم، توقیت، رمل، اور جفر وغیرہ علوم میں امام احمد رضا کی مہارت کا ذکر ندوی صاحب نے بہ طور مثال پیش کیا ہے، یہ بھی حقیقت بیانی ہے، واقعی امام احمد رضا نے ان علوم وفنون پر مشتمل مستقل رسالے تصنیف فرمائے اور ان کے اصول ومبادیات اور مسائل واحکام کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔فقہی موضوعات تو ان کے خاص موضوعات تھے ہی، جن علوم کے ماہرین اور کتابیں موجود نہیں تھیں ان میں بھی امام احمد رضا کی نہ صرف معلومات زیادہ تھی، بلکہ کامل عبور حاصل تھا، چند شہادتیں ملاحظہ کریں۔

علم ریاضی میں امام احمد رضا کی مہارت وحذاقت سے متعلق مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد مرحوم (۱۸۷۳ء۔۱۹۴۷ء) کا مشہور واقعہ ہے، جب وہ ریاضی کے ایک مشکل ترین مسئلے کے حل کے لیے بارگاہ رضا میں حاضر ہوئے اور پیش کردہ مسئلے کا علمی واصولی حل پایا تو بے ساختہ ان کی زبان پر یہ تاثر آیا کہ '' صحیح معنوں میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔''

(مفتی برہان الحق جبل پوری، اکرام امام احمد رضا، ادارۂ مسعودیہ، کراچی، ۲۰۰۴ء ص: ۶۰)

پروفیسر شبیر احمد غوری (علی گڑھ) جو ریاضی وہیئت میں محققانہ نگاہ رکھتے تھے، انھوں نے '' اسلامی ریاضی وہیئت کا آخری دانائے راز مولانا احمد رضا خان '' کے عنوان پر ایک تحقیقی مقالہ تحریر کیا اور امام احمد رضا کی تصنیف '' **التعليقات علىٰ الزيج الايلخانی** '' (۱۳۱۱ھ) کے بارے میں یہ تبصرہ لکھا: '' میں اس کا مطالعہ کر رہا ہوں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے عقیدت مندان کی جامعیت اور فضل وکمال کی جو تعریف کرتے ہیں وہ عقیدت مندانہ مبالغہ آرائی پر موقوف نہیں ہے بلکہ واقعہ نفس الامری ہے۔''

(خیابان رضا، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۲۰۰۹ء ص: ۲۹۸)

علم توقیت میں امام احمد رضا کی مہارت ایجاد بندہ تھی، کیوں کہ اس فن میں علماے متقدمین کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، سوانح اعلیٰ حضرت میں ہے کہ جب حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی، مولانا سید غلام محمد بہاری، مولانا حکیم سید عزیز غوث بریلوی اور مولانا سید محمد ظفر الدین قادری نے ان سے فن توقیت دیکھنا شروع کیا تو اس فن میں مستقل کوئی کتاب نہ ہونے کی وجہ سے امام احمد رضا اس کے قواعد زبانی ارشاد فرماتے اور یہ حضرات اسے لکھ لیتے۔ مولانا سید محمد ظفر الدین قادری نے ان قواعد کو جمع کر کے اور اپنی جانب سے اس میں تشریح اور مثالوں کا اضافہ کر کے ''الجواهر والیواقیت فی علم التوقیت'' کے نام سے ایک کتاب مرتب کر ڈالی۔ (ص:۱۰۳)

ایم حسن امام ملک پوری نے ''امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں'' کے عنوان سے سات صفحاتی ایک مضمون قلم بند کیا، جو المیزان، ممبئ کے امام احمد رضا نمبر میں شائع ہوا ہے، اسی مضمون کے آغاز میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''راقم الحروف کے پاس مذہبی معلومات کا فقدان ہے، مادیات اور ارضیات کا قدرے مطالعہ ہے اور اپنے اس مطالعہ کی روشنی میں امام احمد رضا کے صرف ایک حصہ تصنیف (فتاویٰ رضویہ) **کتاب الطهارة** سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ امام احمد رضا علم دین کے ہی بحر بیکراں نہیں، علم ارضیات، مادیات، فلکیات اور علم ریاضی و ہندسہ کے بھی اتھاہ سمندر ہیں۔'' (المیزان، امام احمد رضا نمبر، مارچ ۱۹۷۶ء ص:۲۹۱)

یہ مقالہ مزید شہادتوں کا متحمل نہیں ہوسکتا، اس لیے اب تصانیف رضا کے موضوعاتی جائزے پر مشتمل کچھ باتیں پیش کرتے ہیں۔ مولانا سید محمد ظفر الدین قادری نے امام احمد رضا کی لکھی ہوئی ۱۳۲۷ھ تک کی کل تصانیف کی فہرست مرتب کر کے شائع کی تھی، جس میں ۵۰ علوم وفنون پر ۳۵۰ کتابوں کا تذکرہ تھا، بعد میں اس میں ۹۶ تصانیف کا اضافہ فرمایا تو یہ تعداد ۴۴۶ تک جا پہنچی ۱۳۶۹ھ میں ملک العلماء نے ''حیات اعلیٰ حضرت'' تحریر کی تو اس کی جلد اول میں لکھا کہ ''درحقیقت اعلیٰ حضرت کی تصانیف چھ سو سے زیادہ ہیں۔'' (ص:۱۳)

خود امام احمد رضا نے اپنی نگارشات کی تعداد پانچ سو سے زائد لکھی ہے، ارقام فرماتے ہیں: ''اور اب تو بحمدہ تعالیٰ اگر احصا کیا جائے تو پانچ سو سے متجاوز ہوگی۔'' (حاشیہ، فتاویٰ رضویہ، طبع ممبئ، ص:۲۳۵ ج۲)

المیزان، ممبئ کے امام احمد رضا نمبر میں آپ کی ۵۴۸ تصانیف کی موضوعاتی فہرست دی گئی ہے، جس کی روشنی میں امام احمد رضا نے علم تفسیر میں ۱۱، عقائد وکلام میں ۵۴، حدیث واصول حدیث میں ۵۳، فقہ، اصول فقہ، لغت اور فرائض و تجوید میں ۲۱۴، تنقیدات میں ۴۰، تصوف، اذکار، اوفاق، تعبیر، اخلاق میں ۱۹، تاریخ، سیر، مناقب وفضائل، ادب، نحو، عروض میں ۵۵، جفر وتکسیر میں ۱۱، جبر ومقابلہ میں ۴، مثلث، ارثماطیقی، لوگارثم میں ۸، توقیت، نجوم، حساب میں ۲۲، ہیئت، ہندسہ، ریاضی میں ۳۱، اور منطق وفلسفہ میں ۶ تصانیف درج ہیں۔ (ص:۳۲۴)

مولانا عبد المبین نعمانی قادری نے تصانیف رضا کی ایک موضوعاتی فہرست تیار کی جو ۶۸۲ کتابوں پر مشتمل ہے۔ مولانا عبد الستار ہمدانی گجراتی نے آٹھ سو سے زائد کتابوں کی فہرست پیش کی، مولانا ریاست علی قادری نے ۹۰۰ تصانیف کی ایک فہرست تیار کی تھی، جو کہیں گم ہوگئی اور طباعت کا مزہ نہ چکھ سکی۔ اس سلسلے میں ایک انتہائی معتبر نام پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد نقش بندی کا ہے، انھوں نے بھی بڑی جانفشانی اور تحقیق کے ساتھ ایک فہرست مرتب کی تھی، ان کا ایک بیان یہاں نقل کیا جاتا ہے، لکھتے ہیں:

''آپ کی تصنیفات، تالیفات، تعلیقات اور شروح وحواشی کی نامکمل فہرست علامہ محمد ظفر الدین رضوی، علامہ عبد المبین نعمانی، عبد الستار ہمدانی، سید ریاست علی قادری اور راقم نے مرتب کی تھی جو پچاس سے زائد علوم وفنون میں لگ بھگ ایک ہزار ہیں۔''

(پروفیسر مسعود احمد، چشم و چراغ خاندان برکاتیہ، نوری مشن، مالیگاؤں، ص:۷)

ڈاکٹر مختار الدین احمد بھی ایک ہزار کے قائل نظر آتے ہیں، ''**المجمل المعدد**'' کا تعارف کراتے ہوئے رقم کرتے ہیں:

''اس رسالہ میں جو مولانا عبد الجبار حیدرآبادی کی فرمائش پر مرتب کیا گیا، ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء تک کی لکھی ہوئی فاضل بریلوی کی ساڑھے تین سو تصانیف کا ذکر ہے، اب تصانیف کی تعداد ایک ہزار تک پہنچتی ہے، جو پچاس سے زائد علوم وفنون پر مشتمل ہیں، یہ رسالہ ۱۳۲۷ھ کا مرتب کردہ ہے، اعلیٰ حضرت اس کے بعد ۱۳ سال اور زندہ رہے اور برابر سلسلہ تصنیف وتالیف جاری رہا۔''

(ماہ نامہ، جہان رضا، لاہور، شمارہ نومبر ۱۹۹۵ء ص:۳۶)

ڈاکٹر امجد رضا امجد نے اپنے سہ ماہی جریدے رضا بک ریویو، پٹنہ، جنوری، فروری، مارچ ۲۰۱۲ء کا شمارہ ''رضویات کا اشاریہ نمبر'' کے نام سے ۴۱۴ صفحات کو محیط شائع کیا تھا، بہت سارے حقائق وہاں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ جس میں تصانیف رضا کا موضوعاتی اشاریہ بھی ہے، امام احمد رضا پر کتابوں کا اشاریہ اور رضویات پر لکھنے والے محققین ارباب قلم کا ابجدی اشاریہ بھی ہے۔ یہ سچ ہے کہ امام احمد رضا نے ناقابل یقین حد تک سرعت تحریر کا مظاہرہ کیا ہے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ ان کی کوئی تصنیف محض تاثراتی، یا غیر استدلالی نہیں ہے، بلکہ حد درجہ تحقیقی، محاکماتی، استدلالی اور معقولی و منقولی خوبیوں سے آراستہ ہے، ان کے موافقین و مخالفین سب نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ اخیر میں ایک حوالہ پیش کر کے اپنی بات مکمل کر دیتے ہیں، مولانا عبدالکریم نعیمی (بنگلہ دیش) اپنے مضمون ''ایشیا کا عظیم محقق'' میں رقم طراز ہیں:

''شعبان ۱۲۸۶ھ سے لے کر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ تک پورے چوّن برس مسند افتا پر متمکن رہے اور اس عرصے میں اتنا لکھا کہ حضرت علامہ الحاج مولانا شاہ محمد حسنین رضا خان صاحب نے جب حساب لگایا تو فی دن چھپن صفحات کتابت و تحریر کے نکلے۔''

(ماہ نامہ المیزان، ممبئی، امام احمد رضا نمبر، ممبئی، ص: ۳۵۸)

یہ مبالغہ آرائی نہیں ہے، واقعی امام احمد رضا کی ہزار تصانیف ایک نفس الامری حقیقت ہیں، اس اعتبار سے امام احمد رضا بیسویں صدی عیسویں کے عظیم اور بے مثال کثیر التصانیف مصنف کہلانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔

●●

سنی دعوت اسلامی کا سنی اجتماع

جشن عید میلا دالنبی

تاریخ: ۴؍اپریل ۲۰۱۵ء بروز سنیچر بعد نماز عشا

مقام: سنی جامع مسجد چوک، پیلی خان، لوہا خان، اجمیر شریف، راجستھان۔

زیر حمایت: حضرت مولانا الحاج **سید محمد مہدی میاں چشتی** مدظلہ العالی گدی نشین درگاہ معلیٰ اجمیر شریف

زیر عنایت: حضرت الحاج **سید حسن چشتی** مدظلہ العالی گدی نشین درگاہ معلیٰ اجمیر شریف

تالی قرآن: حضرت قاری **محمد ریاض الدین اشرفی**، ممبئی

مقرر خصوصی: عطائے حضور مفتی اعظم حضرت مولانا **محمد شاکر نوری** امیر سنی دعوت اسلامی، ممبئی

بلبل باغ مدینہ: الحاج قاری **محمد رضوان خان** پرنسپل ہاشمیہ ہائی اسکول، ممبئی

نوٹ: ان کے علاوہ دیگر بہت سارے علمائے کرام و خطبائے عظام تشریف لا رہے ہیں، شرکت کی درخواست ہے۔

الداعی: حافظ محمد معین الدین رضوی مبلغ سنی دعوت اسلامی، اجمیر شریف

من جانب: مسلمانان اہل سنت سنی جامع مسجد (مرکز سنی دعوت اسلامی) اجمیر شریف

رابطہ: 09829137700

کام کرنے والوں سے

چیلنجوں کے جواب کے لیے مستقبل کے معماروں اور خدمت کا جذبہ رکھنے والوں کی فکری تربیت کی اشد ضرورت

از: صادق رضا مصباحی

آپ کسی کے گھر مہمان بن کر جائیں اور آپ کو بڑی شدت کی پیاس لگی ہو لیکن آپ کا میزبان ایک گلاس پانی دینے کے بجائے بہترین اقسام کے خوشبودار کھانے آپ کے سامنے رکھ دے تو کیا آپ میزبان کو مہمان نواز کہیں گے؟ اسے عقل مند شمار کریں گے؟

اس مثال کا انطباق آپ ہر اس سرگرمی، تحریک اور کام پر کر سکتے ہیں جو آج فلاح و بہبود، تذکیر و اصلاح اور دینی، ملی، سماجی، سیاسی و فلاحی ترقیاتی کاموں کے نام پر انجام دی جا رہے ہیں۔ ہر زمانے کے مختلف تقاضے، الگ نفسیات اور جداگانہ رجحانات معاشرے کے ذمے دار افراد کے لیے ایک چیلنج بن کر سامنے آتے ہیں اور پھر ان کی ساری زندگی انھی چیلنجوں کا جواب دیتے گزر جاتی ہے۔ آپ دنیا کے کامیاب ترین لوگوں کا پروفائل نکال کر دیکھیں، ان کی شخصیت ان کے عہد کے چیلنجوں کا ''جواب'' تھی۔ اس سے سمجھ میں آیا کہ پہلے ''جواب'' آتا ہے پھر ''شخصیت'' بنتی ہے مگر ہمارے زمانے تک آتے آتے اس حقیقت کو الٹ دیا گیا۔ اب عام رجحان یہ بن چکا ہے کہ پہلے ''شخصیت'' بن جائے، ''جواب'' چاہے بنے یا نہ بنے، پہلے ''تعارف'' ہو جائے، ''ضرورت'' کی تکمیل ہو یا نہ ہو اس لیے یہ شکوہ غلط ہے کہ کام نہیں ہو رہا ہے۔ ہمارے یہاں کام کرنے والوں کی ایک طویل قطار موجود ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ کام صحیح رخ پر نہیں ہو رہا ہے۔

ہم میں سے ہر ذمے دار شخص ''جواب'' کی تلاش میں سرگرداں ہے اور ''ضرورت'' بن جانے کے لیے کوشاں مگر اس راستے میں دو چیزیں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ایک تو ترجیحات کا عدمِ تعین اور دوسری خود کو نمایاں کرنے اور زیادہ سے زیادہ شہرت و عزت بٹورنے کی خواہش۔ اگر کام واقعی ''جواب'' ہو تو ہماری شہرت و عزت بھی بخوشی قبول کی جا سکتی ہے لیکن اگر یہ کام برائے کام ہو تو پھر وہ دردمندوں کے لیے تشویش کا سبب بنتا ہے۔ رہا ترجیحات کا قضیہ، تو اس کو اس مثال سے سمجھیے، آپ کو بہت تیز بھوک لگی ہو، آپ اپنے گھر میں کھانا تناول کر رہے ہوں، اسی درمیان اچانک پڑوس میں آگ لگ جائے، مجھے بتائیے کہ بھوک کی شدت کے عالم میں آپ کھانا کھائیں گے یا پہلے پڑوس کی آگ بجھانے کے لیے دوڑ پڑیں گے؟ ظاہر ہے آپ آگ بجھانے کو ہی ترجیح دیں گے، کھانا تو بعد میں بھی کھا لیں گے۔

عہدِ حاضر میں دین کے فروغ و استحکام کے نام پر کی جانے والی تحریکات کا جائزہ لیں، ان کے خال و خط اور داخلی و خارجی کمزوریاں آپ کو کنفیوز کر دیں گی کہ آخر یہ کام موجودہ تقاضوں کا ''جواب'' ہیں یا ان پر ''کام'' کا ''ریپر'' لگا ہوا ہے مگر انھیں ''جواب'' ماننے پر اصرار کیا جا رہا ہے۔ یہ اصرار اس لیے ہے کہ ان سے کہیں نہ کہیں ہماری انا کی تسکین ہو رہی ہے، ہماری عزت و شہرت اور کسی حد تک ہمارے مادی فوائد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور ہمارے ذوقِ خودنمائی کو بہت اچھی غذا بھی فراہم ہو رہی ہے۔

کوئی اس لیے خوش ہے کہ اسے اسٹیج پر ہزاروں لوگوں کے سامنے خطابت کے جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے، کوئی اس لیے خود کو کامیاب سمجھ رہا ہے کہ اس کے مقالات اور کتابیں شائع ہو رہی ہیں اور قارئین و محبین اس پر تحسین و آفریں کے ڈونگرے برسا رہے ہیں، کوئی اس خمار میں مست ہے کہ اس کی معاشرے میں بڑی عزت ہے وہ جہاں بھی جاتا ہے لوگ عقیدت و محبت میں بچھے چلے جاتے ہیں، کوئی اس لیے مسرتوں کے جھولے میں جھول رہا ہے کہ اس کے تعلقات بہت بڑے بڑے لوگوں سے ہیں اور اس کے ایک اشارے پر بڑے سے بڑے کام ہو جاتے ہیں، کوئی اس لیے خوشیوں میں نہال ہوا جا رہا ہے کہ وہ کسی بڑے عزت دار کا خاندان کا فرد ہے اور اس کے آگے پیچھے سہولیات کا ڈھیر لگا ہوا ہے، کسی کے نزدیک عزت و کامرانی کا پیمانہ محض یہ ہے کہ اس کے مریدین و محبین کا ایک جمِ غفیر ہے جو اس کی اک اک ادا پر اپنی جان ہتھیلی پر رکھے گھوم رہا ہے، کوئی اس خوشی میں مگن ہے کہ وہ کسی جامعہ یا یونیورسٹی کا استاذ ہے اور شاگردوں کی

قطاریں اس کی دست بوسی کے لیے منتظر رہتی ہیں، کوئی اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ کسی بڑے ادارے یا تنظیم کا سربراہ ہے اور ہزاروں لوگ اس کے اشارۂ ابرو پر کام کرنا اپنی سعادت تصور کرتے ہیں۔ کوئی خود کو اس لیے سب سے کامیاب تصور کر رہا ہے کہ وہ ہر سال ایک بہت بڑا جلسہ کر لیتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ اس کی ذمے داری پوری ہوگئی۔ وغیرہ۔

ان کاموں کی جزوی اہمیت، مقصدیت اور افادیت سے کسے انکار ہوسکتا ہے مگر یاد رکھیے کہ چیلنج جتنا بڑا ہوتا ہے اس کا جواب بھی اتنا ہی بڑا ہوتا ہے۔ جب تک ترازو کے دونوں پلڑے برابر نہیں ہوتے، توازن برقرار نہیں رہ پاتا۔ موجودہ صورت حال میں ہمارے ''جواب'' کا پلڑا بہت ہلکا ہے اور چیلنج کا پلڑا بہت بھاری۔

حقیقت یہ ہے کہ زندہ رہنے کے لیے کچھ لوگ اپنے مذاق ورحجان کے مطابق خود کو کسی نہ کسی مصروفیت سے وابستہ کر لیتے ہیں اور اسے ''کام'' کے ہم معنی قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ خیال خام ہے، دیوانہ پن ہے۔ اگر ہر مصروفیت کو ''کام'' کا نام دیا جائے تب تو ہر بری اور منفی حرکت بھی ''کام'' میں شمار ہونی چاہیے۔ کام دراصل وہی ہوتا ہے جس کے معاشرے پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہوں، جس سے خلق خدا کی کثیر آبادی مستفیض ہوتی ہو اور جو زمانے کا صحیح ''جواب'' بن کر سامنے آئے۔

ہمارے پاس کام کرنے والے کے اخلاص ناپنے کا پیمانہ نہیں اور نہ ہی ہمارے دین نے اس کا مکلّف بنایا ہے۔ ہمیں تو صرف ظاہر کو دیکھنے کا حکم ہے اور بس۔ البتہ ہم یہ دیکھنے کے مجاز ضرور ہیں کہ کسی بھی کام کے حقیقی اثرات کیا ہیں، اس کے مقاصد کتنے ہیں اور ملت اسلامیہ کے لیے اس میں منافع کا پہلو کس قدر ہے۔ آپ اس وقت اپنی عمر کی جس منزل میں بھی ہوں، بچپن سے لے جوانی اور جوانی سے لے کر بڑھاپے تک معاشرے کی ساری اچھائی اور برائی کی فہرست مرتب کیجیے اور آج کے حالات سے ان کا تقابل کیجیے۔ میری دعویٰ ہے کہ آپ کو ماضی اور حال کی برائیوں میں زمین آسمان کا فرق محسوس ہوگا۔ آج کی بے شمار دینی تحریکوں اور سرگرمیوں کی موجودگی میں ہونا تو یہ چاہیے کہ برائیوں کا گراف بہت حد تک گھٹ جائے مگر کم ہونے کے بجائے مسلسل بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اس کی وجہ سے دیگر مسائل میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور معاشرے کو نت نئے چیلنجوں کا بھی سامنا ہے۔ یہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ہماری سرگرمیاں اور مساعی ناکام ثابت ہو رہی ہیں۔ کیا ہمارے پاس اخلاص کی کمی ہے؟ وسائل کا فقدان ہے؟ علم وفضل اور صلاحیتوں کا قحط ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم نے ترجیحات کا تعین نہیں کیا ہے، ہم نے اپنے نام ومنصب کو پہلی حیثیت دی اور کام کو دوسری۔ ظاہر ہے ایسے ''کام'' ہماری ''شخصیت'' کو تو ابھار سکتے ہیں، چیلنجوں کا ''صحیح جواب'' نہیں بن سکتے۔ جب تک مرض کی صحیح تشخیص پھر اس کے مطابق علاج تجویز نہیں کیا جائے گا یقین کر لیجیے اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہوسکے گا۔ یہ تشخیص اس لیے نہیں ہو پا رہی ہے کہ ہم سب اپنے اپنے ''کاموں'' میں مست ہیں کہ ہماری ''شخصیت'' تو بن ہی چکی ہے یا بن رہی ہے۔ اپنی شخصیت کے تحفظ اور رکھ رکھاؤ میں ہمارے پاس اتنی فرصت کہاں ہے کہ ہم اپنے کاموں کو تنقیدی نظر سے پرکھیں۔ دنیا کی بڑی بڑی کمپنیاں انسانی ضرورتوں کے مطابق اپنا پروڈکٹس تیار کرتی ہیں اور جب انہیں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے پروڈکٹس کی مقبولیت میں کمی آرہی ہے تو وہ سروے کراتی ہیں، اسباب کا جائزہ لیتی ہیں اور حقیقت کی تہ تک پہنچ کر دوبارہ ان پروڈکٹس کو مارکیٹ میں لاتی ہیں۔

اللہ نے ہمیں بھی انسانوں کی فکری، ذہنی، عملی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے بھیجا ہے مگر جب ہمارے ''پروڈکٹس'' کی مقبولیت میں کمی واقع ہو جاتی ہے تو کیا ہماری یہ ذمے داری نہیں کہ ہم اس کے اسباب کا جائزہ لیں؟، حقیقت کی تہ تک پہنچیں؟ اس کے بعد ہی انہیں منظرِ عام پر لائیں۔ آیئے ذرا غور کریں کہ اپنی جس ''مصروفیت'' کو ہم بہت اچھا کام سمجھ رہے ہیں، اسے بہت بڑی ''خدمت'' سے موسوم کر رہے ہیں کیا وہ واقعی کام ہے اور صحیح معنوں میں خدمت۔ اگر ہمارے دل میں دین کے لیے ہلکی سی بھی تڑپ ہے تو اللہ عزوجل کی تنبیہ ہمیں اپنے ''کام'' اور ''خدمت'' پر نظر ثانی کرنے پر ضرور مجبور کر دے گی۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا

(سورۂ کہف: آیت ۱۰۳/۱۰۴)

ترجمہ: تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتا دیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں، ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

یہاں بطور خاص **هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا** پر توجہ مرکوز کیجیے اور تنہائی میں اپنی ذات سے سوال کیجیے کہ کیا ہمارے بہت سارے کام اس ذیل میں نہیں آتے؟ ہم تو ان کاموں کو ''حیاتِ

دین'' کا ذریعہ سمجھتے ہیں مگر قرآن کریم صاف صاف فرما رہا ہے کہ ایسے کام ''حیاتِ دین'' کا سبب ہرگز نہیں وہ تو ہماری ''حیاتِ دنیا'' کے حصول کا سبب ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ان پر ضَلَّ سَعْیُهُمْ کی مہر لگا دی اور بتا دیا کہ اس طرح کی ''کوششیں'' اس طرح کے ''کام'' رائیگاں چلے گئے اور ایسے ہی لوگ اَلْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا کے زمرے میں آتے ہیں یعنی یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں ہیں۔ اس کے فوراً بعد دوسری آیت دیکھیں:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا (ایضاً: آیت ۱۰۵)

ترجمہ: یہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کی آیتیں اور اس کا ملنا نہ مانا تو ان کا کیا دھرا سب اکارت ہے تو ہم ان کے لیے قیامت کے دن کوئی تول نہ قائم کریں گے۔

یعنی انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کے ساتھ ناشکری کی اسی لیے ان کے اعمال اکارت ہو گئے اور وہ اس لائق بھی نہیں ہیں کہ انہیں میزانِ عمل پر تولا جائے کیوں کہ ایسے کاموں کی اہمیت خدا کے یہاں اتنی بھی نہیں کہ انہیں میزان پر رکھا جا سکے۔ اور صرف یہی نہیں کہ ان کے اعمال برباد کیے جائیں بلکہ ابھی ایک اور سب سے سخت مرحلہ باقی ہے، دیکھیے آیت:

ذٰلِکَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا کَفَرُوْا وَ اتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَ رُسُلِیْ هُزُوًا (ایضاً: آیت ۱۰۶)

ترجمہ: یہ ان کا بدلہ ہے جہنّم، اس پر کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کی ہنسی بنائی۔

اس آیت میں دو باتیں ہیں پہلی یہ کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور دوسری بات یہ کہ انہوں نے انبیاے کرام کا مذاق اڑایا۔ انبیاے کرام دنیا میں جب بھی تشریف لائے زمانے کے تقاضوں کا ''جواب'' بن کر آئے، اپنی ''شخصیت'' کو مستحکم کرنے نہیں۔

آیت میں اٰیٰتِیْ (نشانیاں) کا لفظ خاص توجہ کا طالب ہے۔ یہاں اٰیٰتِیْ سے مراد امکانات و مواقع بھی ہیں۔ یعنی اللہ عزوجل ان لوگوں کی بھی پکڑ کرے گا جو اسلام کو درپیش چیلنجوں کے ''جواب'' کے لیے موجودہ مواقع اور امکانات سے آنکھیں چرا رہے ہیں۔ یہ مواقع و امکانات یقیناً ہمارے لیے خدا کی طرف سے بڑے عظیم انعام ہیں۔ ہمیں شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔

بلاشبہہ کسی بھی تحریک کو برپا کرنے میں بہت محنت و مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ صرف کام کرنے والوں کو ہی ہو سکتا ہے مگر جب کام زمانے کا صحیح ''جواب'' بن کر سامنے نہ آئیں اور وہ دین کے فروغ و استحکام کا ذریعہ نہ بنیں تو ایسے کام بھلا کس مصرف میں رکھے جا سکتے ہیں۔؟ شاید ایسے ہی کام کرنے والوں کو اللہ نے یہ وعید بھی سنائی:

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (سورۂ غاشیہ)

کتنے ہی منھ اس دن ذلیل ہوں گے، کام کریں مشقت جھیلیں۔

اور صرف یہی نہیں کہ انہیں ذلیل وخوار کر کے چھوڑ دیا جائے بلکہ ابھی انہیں اور بہت ساری چیزوں کا لقمہ بننا ہے۔ دیکھیے:

تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ لَّا یُسْمِنُ وَ لَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ

جائیں بھڑکتی آگ میں، نہایت جلتے چشمہ کا پانی پلائے جائیں، ان کے لیے کچھ کھانا نہیں مگر آگ کے کانٹے، کہ نہ فربہی لائیں اور نہ بھوک میں کام دیں۔

قرآنِ کریم میں ایک مقام پر اس طرح کاموں کو هَبَآءً مَّنْثُوْرًا سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرّے:

وَ قَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے، ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرّے کر دیا۔ (سورۂ فرقان آیت ۲۳)

یہ ساری وعیدیں ان حضرات کے لیے ہیں جو ''کام'' کے پردے میں اپنی ''شخصیت'' کو نمایاں کرتے رہے۔ جو کام کو مستحکم اور ٹھوس اور ''جواب'' بنانے کے بجائے کام کو پھیلاتے رہے اور اپنی کارکردگی کی طویل فہرست مرتب کرتے رہے اور اس خوش فہمی کے اسیر رہے کہ کام کی توسیع ہی فروغ و استحکام کا ذریعہ ہوتی ہے۔

اب ہمیں مستقبل کے معماروں، کام کا جذبہ رکھنے والوں اور اپنے شاگردوں کی اس نہج پر فکری تربیت کرنی ہوگی کہ اگر واقعی تم اپنی شخصیت کی توسیع و استحکام چاہتے ہو تو پہلے ''جواب'' بنو، ''ضرورت'' ورنہ محض ''شخصیت'' کا ارتقا عارضی طور پر تمہیں خوش کر سکتا ہے، تاریخ میں کوئی نمایاں مقام نہیں دلا سکتا ہے اور عارضی شخصیات تاریخ کے بے نام قبرستان میں بے نام ونشان قبر کا رزق بن کر رہ جاتی ہیں۔

●●

دوسری قسط

نبیِّ مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریّت و نورانیّت

(قرآن واَحادیث اور دلائلِ عقلیہ کی روشنی میں)

از: سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی

حضور کی قوّتِ شامّہ: حضرات انبیاے کرام علیہم الصلوۃ والسلام قوت شامہ (سونگھنے کی طاقت) کے لحاظ سے بھی عام انسانوں سے جدا و ممتاز ہوتے ہیں۔ وہ سیکڑوں میل کے فاصلے سے بھی ان چیزوں کو سونگھ سکتے ہیں جنھیں ہم قریب سے بھی نہیں سونگھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں حضرت یوسف اور یعقوب علیہما الصلوٰۃ والسلام کے قصے میں فرمایا:

اِذْ هَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ فَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ (پارہ: ۱۳، سورۂ یوسف)

(ترجمہ) میرا یہ کرتا لے جاؤ، اسے میرے باپ کے منہ پہ ڈالو! ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور اپنے سب گھر بھر میرے پاس لے آؤ۔ جب قافلہ مصر سے جدا ہوا، یہاں ان کے باپ نے کہا: بے شک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھیا گیا۔

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص مبارک لے کر ان کے بھائی یہودا ملک مصر سے چلے اور کنعان کی جانب روانہ ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان سے اس قمیص کی مہک سونگھ لی اور فرمایا کہ میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ حالاں کہ کنعان وہاں سے سیکڑوں میل کے فاصلے پر تھا۔ ثابت ہوا کہ نبی کی قوت شامہ عام انسانوں سے کئی گنا زائد ہوتی ہے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی سونگھنے کی قوت اس قدر زائد ہے کہ انھوں نے اتنے طویل ترین فاصلے سے قمیصِ یوسف کی خوشبو محسوس کر لی تو جس پیغمبر آخر الزماں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں انھیں یہ طاقت وقوت نصیب ہوئی ان کی قوّتِ شامہ کا عالم کیا ہوگا!

آپ کی قوت ذائقہ: قوّتِ ذائقہ (چکھنے کی قوت) کے لحاظ سے بھی حضرت رسولِ اکرم نبیِ معظّم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ فرزندانِ بنی آدم سے ممتاز ہیں کیوں کہ یہ بات مسلمات یقینیّہ سے ہے کہ اللہ رب العزت کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے مکرم و معظم بشر ہیں، جملہ بنی آدم کے سردار، تمام مخلوق میں سب سے افضل اور سب سے اونچے مقام پر فائز ہیں۔ پس آپ کی شانِ اصطفا، رفعتِ ذکر، فضیلتِ عظمیٰ اور سیادتِ بنی آدم کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ کو ہر وصف و خوبی اور نعمت سے بروجہِ اتمّ نوازا گیا ہو، جس طرح کسی بھی وصف و خوبی میں کوئی بھی آپ کا مثیل و عدیل اور شریک نہیں، اسی طرح یہ لازم ہے کہ قوتِ ذائقہ کی تمامیت و کمالیت میں بھی آپ اپنی مثال آپ ہوں۔ اس لیے اس نعمت میں بھی کوئی آپ کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ اس پر ایک دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس آ رہے تھے تو ایک یہودی عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور اس نے بھنا ہوا گوشت پیش کیا، آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو بھوک کا احساس تھا، اس لیے آپ اپنے صحابہ کے ساتھ اسے تناول کرنے لگے، جوں ہی آپ نے اسے کھایا فوراً اپنے ہاتھوں کو کھینچ لیا اور فرمایا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ (شفا شریف: ج ۱، ص ۶۰۷)۔

یہ ہے وہ قوتِ ذائقہ کہ کسی غیرِ نبی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس بکری کے دست نے آپ کو اپنے زہر آلود ہونے کی خبر دی۔ اس صورت میں یہ روایت حضور کی قوتِ سامعہ کے با کمال ہونے پر دلیل ہوگی کہ آپ نے بے جان بھنی ہوئی بکری کی بات بھی سن لی۔ سبحان اللہ

لعابِ دہن کی برکتیں: اللہ رب العزت نے قوت ذائقہ کو زبان میں ودیعت فرمایا ہے، زبان ہی سے لعاب بنتا ہے۔ ہمارے منہ سے روزانہ نہ جانے کتنا لعاب نکلتا ہے لیکن اگر ہم اسے کسی پانی میں ملا دیں تو اسے پینے کے لیے کوئی تیار نہ ہو، کھانے میں ڈال دیں تو غیر تو غیر ہمارے اپنے بھی گھن محسوس کرنے لگیں، جس مجلس میں کھنکھار دیں تو اس مجلس سے لوگ اٹھ کر چلیں جائیں اور اگر کسی زخم خوردہ کو لگا دیں تو ہوسکتا ہے کہ اسے الٹا نقصان کر جائے لیکن حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کا لعابِ دہن بھی دیگر اوصاف کے ساتھ، بے مثل و بے مثال تھا۔جس کھاری کنویں میں ڈال دیا اس کا پانی صبح قیامت تک کے لیے شیریں ہوگیا اور جس بیمار کو لگا دیا وہ فوراً شفایاب ہوگیا۔ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

جس سے کھاری کنویں شیرۂ جاں بنیں
اس زُلالِ حلاوت پہ لاکھوں سلام
جس کے پانی سے شاداب جان و جناں
اس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام

اس سلسلے کی چند روایتیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ جنگِ اُحد میں ان کی آنکھ کو صدمہ پہنچا، ڈھیلا رخسار پر آپڑا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈھیلے کو اپنی جگہ پر رکھ کر لعابِ مبارک لگا دیا تو وہ آنکھ پہلے سے بھی زیادہ درست و روشن ہوگئی۔

(۲) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ تیر لگنے سے میرا چہرہ زخمی ہوگیا، اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن لگا دیا، اس کی برکت سے پھر نہ مجھے تیر و تلوار لگی اور نہ ہی اس سے خون نکلا۔

(۳) حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چوٹ پر لعابِ دہن مبارک لگا دیا تو فوراً درد جاتا رہا اور اسی وقت انہیں شفا نصیب ہوگئی۔

(۴) ایک مرتبہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار سے زخمی ہوگئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ شیریں لگا دیا فوراً زخم جاتا رہا۔

(۵) جنگِ بدر میں قاتلِ ابوجہل حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بازو کٹ گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کٹے ہوئے ہاتھ کو اپنی جگہ جوڑا اور اس پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا، وہ ہاتھ اسی وقت جڑ کر بالکل درست ہوگیا۔

(۶) اسی طرح فتحِ خیبر کے روز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخت دکھتی ہوئی آنکھوں میں اپنا لعابِ مبارک ڈال دیا تو اس کی برکت سے حضرت علی فوراً تندرست ہوگئے جیسے کبھی آنکھیں آئی ہی نہ ہوں۔(جواہر البحار فی فضائل النبی المختار مترجم ج ا ص:۹۳)

آپ کی قوت لامسہ: قوتِ لامسہ (چھونے کی قوت جو کہ پورے جسم میں ہوتی ہے اس) میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو بے مثال بنایا ہے۔چھونے کی قوت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے جسم میں بھی رکھی ہے لیکن ہماری بے بسی کا عالم یہ ہے کہ ہم آگ کو نہیں چھو سکتے۔آگ تو خیر آگ ہے ہم اس میں پکی ہوئی چیزوں کی حرارت کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔اسی طرح برف کو زیادہ دیر تک ہاتھوں میں نہیں لے سکتے لیکن پیغمبر کی قوت لامسہ اس قدر زبردست ہوتی ہے کہ وہ اگر آگ کو چھولیں تو وہ بھی گلِ گلزار بن جاتی ہے۔

(۱) کون نہیں جانتا کہ جب کافروں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو جیسے ہی آگ کو اس عظیم الشان پیغمبر کا لمس حاصل ہوا فوراً ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی۔(**كُونِي بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلَىٰ اِبْرَاهِيْمَ** (ترجمہ) اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا۔) اس پر دال ہے۔اور ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں آپ کے بہت سے امتیوں کو یہ مقام حاصل ہے کہ آگ انہیں نقصان نہیں پہنچا سکی۔اس سلسلے کے بہت سے واقعات کُتُبِ تاریخ کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

(۲) اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شان یوں بیان فرمائی:

وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران:۴۹)

ترجمہ: اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی سی صورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہوجاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ جب اللہ عزوجل کے نبیوں کی قوت لامسہ کا عالم یہ ہے کہ آگ کو چھولیں تو وہ رشکِ چمن بن جائے، پیدائشی اندھوں کو چھولیں وہ فوراً شفایاب ہوجائیں اور سپید داغ والوں کو ان کا لمس مل جائے تو صاحبانِ حسن و جمال ہوجائیں تو خود پیغمبر

اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت لامسہ کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟

(۳) اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلامِ ازلی میں اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (بقرہ:۶۰) ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے۔

جب ایک پیغمبر کے دستِ مبارک میں رہنے والے عصائے پاک کا عالم یہ ہے کہ اس کے لمس (چھو جانے) سے پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے تو صاحبِ عصا کی قوت لامسہ کا عالم کیا ہوگا۔ پھر صاحبِ عصا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سرور و سردار جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت لامسہ کا اندازہ بھلا کون لگا سکتا ہے؟ مندرجہ ذیل حدیثوں میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ لامسہ کے جلوے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ أَحْسَنَ النَّاسِ وَ كَانَ أَجْوَدَ النَّاسِ وَكَانَ اَشْجَعَ النَّاسِ وَ قَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَا نْطَلَقَ نَاسٌ قِبَلَ صَوْتٍ فَتَلَقَّهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَاجِعًا وَ قَدْ سَبَقَهُمْ اِلَى الصَّوْتِ وَ هُوَ عَلٰى فَرَسٍ لِأَبِيْ طَلْحَةَ عُرْيٍ فِيْ عُنُقِهِ السَّيْفُ وَ هُوَ يَقُوْلُ لَمْ تُرَاعُوْ لَمْ تُرَاعُوْ قَالَ وَجَدْنَاهُ بَحْرًا اَوْ اِنَّهُ لَبَحْرٌ وَ كَانَ فَرَسًا يُبَطَّأُ

(صحیح مسلم: ج۲، ص۲۵۲)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے حسین، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ باشندگانِ مدینہ (ایک خوف ناک آواز سے) خوف زدہ ہو گئے صحابۂ کرام اس آواز کی طرف گئے۔ راستے میں انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آواز کی جانب سے واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ حضرت ابو طلحہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے، آپ کی گردنِ مبارک میں تلوار تھی اور آپ صحابۂ کو (تسلی دینے کے لیے) فرما رہے تھے: تم کو خوف زدہ نہیں کیا گیا، تم کو خوف زدہ نہیں کیا گیا۔ (اسی دوران) آپ نے فرمایا: میں نے اس گھوڑے کو سمندر کی طرح رواں دواں پایا یا وہ (سبک روی میں) سمندر تھا۔

شارح مسلم حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیثِ پاک کی شرح میں رقم طراز ہیں:

قوله يبطّأ فمعناه يعرف بالبطوء والعجز و سوء السير (ترجمہ) يبطّأ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ گھوڑا سست رفتاری، عاجزی اور بری چال میں مشہور و معروف تھا۔" اس کے بعد فرماتے ہیں:

فيه فوائد :منها بيان شجاعته صلى الله عليه وسلم من شدّة عجلته فى الخروج الىٰ العدوّ قبل الناس كلهم يبحث كشف الحال و رجع قبل وصول الناس ، وفيه بيان عظيم بركته و معجزته فى انقلاب الفرس سريعا بعد ان كان يبطأ و هو معنىٰ قوله صلى الله عليه وسلم وجدناه بحرا اى واسع الجرى

ترجمہ: اس حدیثِ پاک سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ یہ کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت و بہادری کا بیان ہے کیوں کہ آپ حقیقتِ حال جاننے کے لیے دشمن کی جانب تمام لوگوں سے پہلے بہت جلد نکل کر تشریف لے گئے اور لوگوں کے پہنچنے سے پہلے واپس بھی آ گئے۔ نیز اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم برکت کا بیان ہے کیوں کہ آپ کے سوار ہونے کی برکت سے انتہائی سست رفتار گھوڑا برق رفتار ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول **وجدناه بحرا** کا یہی معنیٰ ہے کہ یہ بڑا تیز رفتار گھوڑا ہے۔

یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ لامسہ کہ آپ کے جسمِ ناز کی برکت سے سست رفتاری میں مشہور گھوڑا انتہائی برق رفتار ہو گیا۔

(۲) **عَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ قَالَ :صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ الْاُوْلٰى ثُمَّ خَرَجَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَ خَرَجْتُ مَعَهٗ فَاسْتَقْبَلَهٗ وِلْدَانٌ فَجَعَلَ يَمْسَحُ خَدَّىْ اَحَدِهِمْ وَاحِدًا وَاحِدًا قَالَ وَ اَمَّا اَنَا فَمَسَحَ خَدَّيَّ قَالَ فَوَجَدْتُ لِيَدِهٖ بَرْدًا اَوْ رِيْحًا كَاَنَّمَا أَخْرَجَهَا مِنْ جُوْنَةِ عَطَّارٍ** (صحیح مسلم: ج۲، ص۲۵۶)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھی، پھر حضور اپنے گھر کی طرف تشریف لے گئے، میں بھی آپ کے ساتھ چلا۔ سامنے کی جانب سے کچھ بچے

آئے، آپ نے ان میں سے ہر ایک کے رخسار پر ہاتھ پھیرا اور میرے بھی رخسار پر دستِ مبارک پھیرا، میں نے آپ کے دستِ اقدس کی خوشبو یوں محسوس کی جیسے آپ نے عطار کے ڈبّے سے ہاتھ باہر نکالا ہو۔

اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے مایۂ ناز محقق و مفسر حضرت علامہ غلام رسول سعیدی حضرت امام قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شفا شریف کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کی صفائی اور پاکیزگی اور آپ کی ریح اور پسینہ کی خوشبو اور آپ کا نجاستوں اور جسمانی فضلات سے پاکیزہ ہونا آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی خصوصیات سے نوازا ہے جو دوسروں میں نہیں ہیں۔ پھر آپ کو شرعی پاکیزگیوں اور فطرت کی دس خصلتوں سے نوازا اور آپ نے فرمایا: دین کی بنیاد صفائی پر ہے۔ دیگر صحابہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو لگائیں یا نہ لگائیں جو شخص آپ سے مصافحہ کرتا اس کو سارا دن خوشبو آتی رہتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے وہ بچہ خوشبو کی وجہ سے دوسرے بچوں میں الگ پہچانا جاتا۔ ایک دفع حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر سوئے اور آپ کو پسینہ آیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ آئیں اور انہوں نے ایک شیشی میں آپ کا پسینہ جمع کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (باوجود علم کے) ان سے اس کا سبب دریافت کیا (تاکہ امت کو معلوم ہو جائے) تو انہوں نے کہا کہ یہ سب سے اچھی خوشبو ہے ہم اسے اپنی خوشبو میں رکھیں گے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی راستہ پر جاتے تھے تو آپ کے پیچھے چلنے والا آپ کو آپ کی خوشبو سے پہچان لیتا تھا، اور اسحٰق بن راہویہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ آپ کی یہ خوشبو کسی خارجی خوشبو کے لگائے بغیر ہوتی تھی۔ اور مزنی اور حربی نے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے بٹھایا، میں نے مہرِ نبوت کو اپنے منہ میں لے لیا تو (منہ میں) مشک کی خوشبو پھیل گئی۔''

(شرحِ مسلم: ج۶، ص۷۸۱/۷۸۲)

سبحان اللہ! یہ ہے حضور کی عظمت اور یہ ہے حضور کی شان کہ حضور جس سے مصافحہ کرلیں وہ دن بھر مہکتا رہے، حضور جس بچہ کے رخسار پر ہاتھ پھیر دیں وہ اپنی نادر و نایاب خوشبو کی وجہ سے دوسرے بچوں سے ممتاز ہو جائے اور جن راہوں کو حضور کی پابوسی کا شرف مل جائے وہ مہک اٹھیں اور ان راہوں سے گزرنے والے پہچان جائیں کہ ادھر سے مصطفیٰ پیارے تشریف لے گئے ہیں۔ بخدا! یہ وہ قوت لامسہ ہے کہ کسی اور میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اسی لیے امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل دیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

(۳) غزوۂ بدر میں حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک سوکھی لکڑی عطا فرمائی جو کہ حضور کے لمسِ مبارک سے آبدار شمشیر بن چکی تھی۔ چنانچہ روایت میں آیا ہے:

فَعَادَ سَيْفًا فِيْ يَدِهٖ طَوِيْلَ الْقَامَةِ شَدِيْدَ الْمَتَنِ، أَبْيَضَ الْحَدِيْدَةِ فَقَاتَلَ بِهٖ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَكَانَ ذٰلِكَ السَّيْفُ يُسَمّٰى الْعَوْنَ

ترجمہ: جب حضرت عکاشہ نے اس سوکھی لکڑی کو لیا تو دیکھا کہ وہ نہایت شاندار، چمک دار لمبی اور مضبوط تلوار بن چکی ہے تو انہوں نے اسی کے ساتھ جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی اور وہ تلوار عون (مددگار) کے نام سے موسوم ہوئی۔

(فتح الباری: ج۱۱، ص:۴۱۱)

(۴) حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ایک سخت طوفانی اندھیری رات میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات دیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے رہے۔ جب جانے لگے تو حضور نے انہیں ایک شاخ عطا فرمائی اور فرمایا: اِنْطَلِقْ بِهٖ فَاِنَّهٗ سَيُضِيْئُ لَكَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْكَ عَشْرًا وَمِنْ خَلْفِكَ عَشْرًا فَاِذَا دَخَلْتَ بَيْتَكَ فَسَتَرٰى سَوَادًا فَاضْرِبْهُ حَتّٰى يَخْرُجَ فَاِنَّهُ الشَّيْطَانُ (اسے لے جاؤ، یہ تمہارے لیے دس ہاتھ آگے اور دس ہاتھ پیچھے روشن کرے گی، جب تم گھر میں داخل ہونا تو تمہیں ایک سیاہ چیز نظر آئے گی، تم اسے اتنا مارنا کہ وہ نکل جائے کیوں کہ وہ شیطان ہے۔ (الخصائص الکبریٰ: ج۱، ص۳۵۹)

آقائے دو جہاں سرورِکون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کالمس حاصل ہوا تو وہ شاخ روشن ہوگئی، حضرت قتادہ اس شاخ کی روشنی میں چلے، جب گھر پہنچے تو ایک سیاہ شئی نظر آئی، انہوں نے اس کو مارنا شروع کیا اور اتنا مارا کہ وہ گھر سے باہر نکل گئی۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ملک یمن کا گورنر متعین کرنا چاہا تو انہوں نے اپنی ناتجربہ کاری کا اظہار کیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، مقدمات کا فیصلہ کرنے میں میری کم علمی اور ناتجربہ کاری آڑے آئے گی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر پھیرا جس کی برکت سے مقدمات کا فیصلہ کرنے میں انہیں کبھی بھی شک وشبہہ لاحق نہ ہوا۔ لمس مبارک کی اس فیض رسانی کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

فَضَرَبَ بِيَدِهٖ فِيْ صَدْرِيْ وَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَلْبَهٗ وَ ثَبِّتْ لِسَانَهٗ. قَالَ فَمَا شَكَكْتُ بَعْدُ فِيْ قَضَآءٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ کرم میرے سینہ پر مارا اور دعا فرمائی: اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت پر قائم رکھ اور اس کی زبان کو حق پر ثابت رکھ۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کبھی بھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں مجھے ذرہ برابر بھی تردد نہ ہوا۔ (سنن ابن ماجہ: ص ۱۶۷)

(۶) حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُدْنُ مِنِّيْ ! قَالَ : فَمَسَحَ بِيَدِهٖ عَلٰى رَأْسِهٖ وَ لِحْيَتِهٖ . قَالَ : ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ جَمِّلْهُ وَ اَدِمْ جَمَالَهٗ. قَالَ: فَلَقَدْ بَلَغَ بِضْعًا وَ مِأَ ةَ سَنَةٍ وَمَا فِيْ رَأْسِهٖ وَ لِحْيَتِهٖ بَيَاضٌ اِلَّا نَبْذٌ يَسِيْرٌ وَلَقَدْ كَانَ مُنْبَسِطَ الْوَجْهِ وَ لَمْ يَنْقَبِضْ وَجْهُهٗ حَتّٰى مَاتَ

ترجمہ: حضرت ابوزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب آؤ! میں قریب ہوا تو حضور نے میرے سر اور میری داڑھی پر اپنا دستِ اقدس پھیرا۔ اس کے بعد دعا فرمائی: اے اللہ اس کے حسن وجمال میں اضافہ کردے اور اس کے حسن کو گندم گوں کردے! راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوزید کی عمر شریف سو سے زائد ہوئی لیکن ان کے سر اور ان کی داڑھی میں صرف معمولی سفیدی ظاہر ہوئی، باقی سر اور داڑھی کے تمام بال سیاہ رہے اور ان کا چہرہ صاف وروشن تھا تا دمِ حیات ایک شکن بھی چہرہ پر ظاہر نہ ہوئی۔ (مسند احمد بن حنبل: ج ۷، ص ۳۸۴۔۳۸۵)

سبحان اللہ! حضرت ابوزید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا لمس حاصل ہوا تو سو سال سے زائد عمر پانے کے بعد بھی ان کے سر اور داڑھی کے بال سیاہ ہی رہے اور دستِ اقدس کی برکت سے چہرہ جھریوں سے بھی محفوظ رہا۔ اسی لیے امام اہلِ سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا
موج بحر سماحت پہ لاکھوں سلام

بقیہ اگلے شمارے میں

قرض کی شرعی حیثیت

از: مولانا ممتاز رضا نجمی

آج کے اس دور میں جب کہ مہنگائی آسمان کو چھو رہی ہے، ہر شخص فکر مند ہے کہ وہ اپنے بال بچوں کا پیٹ کیسے پالے، پڑھائی کے اخراجات کہاں سے لائے، بیٹی کی شادی کیسے کرے، گھر بنانے یا خریدنے کا انتظام کہاں سے ہو، تہوار آرہا ہے تو بال بچوں کے لیے کپڑوں کا بندوبست کس طرح کرے۔ اس طرح کے بہت سارے سوالات ہیں جو ہر آدمی کو پریشان کیے ہوئے ہیں۔ جن کے پاس مال کی فراوانی ہے ان کی زندگی تو خوش حالی کے ساتھ گزر رہی ہے لیکن جو متوسط یا نچلے طبقے کا آدمی ہے اسے زندگی کی گاڑی آگے بڑھانے کے لیے کبھی نہ کبھی قرض کے شیش محل میں داخل ہونا پڑتا ہے۔

قرض کے جہاں ایک جانب فائدے ہیں وہیں دوسری جانب بہت سارے نقصانات بھی اخبار اور نیوز چینلوں میں کسانوں کی خود کشی، قتل، چوری جیسے جرائم کی شکل میں ہمیں نظر آتے ہیں۔ قرض کے احکام ومسائل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ایک مسلمان قرض لے کر اپنی دنیا تو بنالیتا ہے لیکن آخرت اس کی خراب نظر آتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہم قرض کے احکام ومسائل کو اسلامی نقطۂ نظر سے جاننے کی کوشش کریں تاکہ دنیوی نقصان اور اُخروی خسارے سے بچا جاسکے۔

قرض کے متعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے شبِ معراج میں جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقے کا اجر دس گنا ہے اور قرض کا اَجر اٹھارہ گنا ہے۔ میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: کیا بات ہے کہ قرض دینا صدقے سے افضل ہے؟ جبرئیل امین نے کہا: **لان السائل یسئال وعنده والمستقرض لا یستقرض الا من حاجة** (۱) ترجمہ: اس لیے کہ سائل اپنے پاس مال ہونے کے باوجود سوال کرتا ہے اور قرض مانگنے والا ضرورت کے وقت ہی قرض مانگتا ہے۔ یعنی اگر آپ کارِ خیر کی نیت سے کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کرتے ہیں تو یہ عبث وبے کار نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خزانۂ قدرت سے اس پر اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ قرض دار تنگ دستی کی وجہ سے معینہ مدت میں مال نہ لوٹا سکے اور آپ اسے مزید مہلت عطا کریں تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی آپ کو اجر عطا فرمائے گا۔ حدیث پاک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **من كان له علي رجل حق فمن اخره كان له بكل يوم صدقة**۔ (۲)

ترجمہ: جس کا کوئی حق کسی شخص پر باقی ہو تو اسے مہلت دے ہر دن کے بدلے اس کے لیے ایک صدقے کا ثواب ہوگا۔

موجودہ عہد میں بہت سارے مسلمان قرض دے کر سودی رقم حاصل کرتے ہیں یہ شرعاً بہت بڑا گناہ ہے قرض خواہ اور قرض دار دونوں کے لیے خسارے کا سبب ہے۔ بوقت مجبوری اگر کبھی آپ کو قرض لینے کی نوبت آجائے تو آپ قرض اس نیت سے لیں کہ مجھے جلد واپس کرنا ہے یہ نیت نہ ہو کہ چلو کسی طرح سے پیسے اینٹھ لیا اب کون دیتا ہے۔ ہزار بار مانگتا رہے اس سے کیا فرق پڑتا ہے (جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے) ایسا ہرگز نہ کریں اگر آپ جلد لوٹانے کی نیت سے لیتے ہیں تو اللہ کریم ہے، علیم بذات الصدور ہے۔ وہ جلد کوئی نہ کوئی سبیل ضرور پیدا فرمادے گا۔ اور اگر واپس کرنے کی نیت نہیں ہے تو وہ مال جو بطور قرض لیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اسے برباد کردے گا اس سے آپ کو کوئی نفع نہیں پہنچنے والا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ اموال الناس یرید ادائها ادى الله عنه ومن اخذ یرید اتلافها اتلفه الله۔ (۳) ترجمہ: جس نے لوگوں کا مال اس کے ادا کرنے کی نیت سے لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کردیتا ہے اور جو شخص اس کو ضائع کرنے کی نیت سے لے تو اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کردیتا ہے۔

پیارے! یہ تو دنیا کا خسارہ ہے آخرت کا نقصان تو بہت زیادہ ہے۔ آپ جنت میں داخل نہیں ہوسکتے اگر چہ شہادت کا درجہ پالیا ہو، قیامت کے دن اللہ آپ کو چوروں کے صف میں اٹھائے گا۔

حدیث مبارکہ ہے: **والذی نفس محمد بیدہ لو ان رجلاً قتل فی سبیل اللہ ثم عاش ثم قتل فی سبیل اللہ ثم عاش ثم قتل فی سبیل اللہ ثم عاش وعلیہ دین مادخل الجنۃ حتی یقضی دینہ** ۔(۴) ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید ہوجائے پھر زندہ ہو پھر شہید ہوجائے پھر زندہ ہو پھر شہید ہوجائے پھر زندہ ہو اور اس پر قرض ہے تو جب تک اس کا قرض ادا نہ کردیا جائے اس وقت تک وہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

دوسری حدیث میں ہے: **ایما رجل تدین دینا وھو مجمع ان لایوفیہ ایاہ لقی اللہ سارقاً** ۔(۵) ترجمہ: جس کسی نے قرض لیا اور وہ اس بات پر آمادہ ہے کہ وہ اسے ادا نہیں کرے گا وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے چور کی صورت میں ملے گا۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان قرض کا بوجھ لیے دنیا سے رخصت ہوگیا تو ورثہ کو چاہیے کہ ترکہ سے جلدی ادا کریں۔ اگر مالِ متروک نہیں ہے تو اس کی آل واولاد کا یہ اخلاقی ذمہ بنتا ہے کہ وہ مل کر قرض کی ادائیگی کی کوشش کریں، یہ نہ ہو سکے تو دیگر رشتہ داروں، دوستوں یا پڑوسیوں کو چاہیے کہ اس کی جانب سے قرض ادا کردیں کہ ادا کرنے والا اجرِ عظیم کا مستحق ہوتا ہے۔ اسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ گناہ کے قرض سے آزاد فرمائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، آپ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا، آپ نے پوچھا کیا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہاں ہاں۔ آپ نے پوچھا: کیا اس نے اس کی ادائیگی کے لیے مال چھوڑا ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھ لو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اس کا قرض میں اپنے ذمہ لیتا ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ سن کر آپ آگے بڑھے اور اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: **جزاک اللہ یا علی خیراً کما فککت دھان اخیک، ما من مسلم فک دھان اخیہ الا فک اللہ دھانہٗ یوم القیامۃ** ۔(۷) ترجمہ: اے علی! اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے جیسا کہ تم نے اپنے بھائی کو قرض سے آزاد کیا۔ اگر کوئی مسلمان اپنے بھائی کو قرض سے آزاد کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے قیامت کے دن گناہوں کے قرض سے آزاد فرمائے گا۔ اور اگر رشتہ دار، دوست واحباب کی جماعت بھی آپ کے قرض کو ادا نہ کرپائے تو قرض خواہ کا یہ حسن خلق بنتا ہے کہ وہ قرض کو معاف کردے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کی سختی سے آزاد کرتے ہوئے اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن عرشِ الٰہی کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: **من سرہ ان ینجیہ اللہ من کرب یوم القیامۃ فلینفس عن معسر او یضع عنہ** ۔(۷) ترجمہ: جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کی سختی سے اللہ تبارک وتعالیٰ اسے نجات دے تو اسے چاہیے کہ تنگ دست کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کردے۔ اسی طرح حضرت ابوالیسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث میں ہے: **من احب ان یظلہ اللہ فی ظلہ فلینضر معسراً او لیضع عنہ** (۸) ترجمہ: جو یہ پسند کرتا ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اسے اپنا سایہ عطا فرمائے تو اسے چاہیے کہ تنگ دست کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کردے۔

اور اگر قرض خواہ نے بھی آپ کو معاف نہ کیا تو قیامت کے دن قرض مال کے برابر آپ کی نیکیاں قرض خواہ کو دے دی جائے گی۔ اگر نیکیاں ناکافی ہوئیں تو قرض خواہ کے گناہوں کو آپ کے سر ڈال دیا جائے گا۔ (اللہ اکبر) ارشاد نبوی ہے: **من مات وعلیہ دینار او درھم قضی من حسناتہ** ۔(۹) ترجمہ: جس کا اس حال میں انتقال ہوا کہ اس پر دینار یا درہم ہے تو اس کی نیکیوں میں سے اس کا قرض ادا کردیا جائے گا اس لیے کہ وہاں پر نہ دینار ہوگا نہ درہم۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نماز کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: **اللھم انی اعوذبک من الماثم والمغرم** ۔(۱۰) ترجمہ: اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اولاً قرض لینے سے بچیں اور اگر بوجہ مجبوری لینا پڑ جائے تو جلد ادائیگی کی کوشش کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کریں کہ مولیٰ! اس مہنگائی کے زمانے میں قرض لینے سے ہمیں محفوظ فرما اور ہمارے رزق میں اتنی برکت دے جو دنیاوی زندگی کے لیے کافی ہو۔ (آمین)

●●

شرعی احکام ومسائل

از: مفتی محمد نظام الدین رضوی

عام مسلمان اور اولیاے کرام کے ایصالِ ثواب کے کھانے وشیرینی کا حکم

صورت مسئولہ: میت دفن کرنے کے بعد دوسرے دن ختم کلمۂ طیبہ جمع ہوکر پڑھتے ہیں جس میں اغنیا اقربا سبھی رہتے ہیں۔ صاحب میت شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ وہ شیرینی اغنیا کو لینا، کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ شیرینی اس لیے تقسیم کی جاتی ہے کہ اس کا ثواب میت کو پہنچے تو جس شخص کے کھانے اور کھلانے میں ثواب ہے اسے یہ شیرینی کھانا اور کھلانا جائز ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ ثواب کی نیت سے مسلمان جو کچھ بھی کھائے، کھلائے ثواب ملے گا چاہے وہ فقیر محتاج ہو، یا امیر و مال دار، یہاں تک کہ اپنی بیوی اور بچوں کو بھی ثواب کی نیت سے کھلانا ثواب ہے۔ چنانچہ صحابیِ رسول حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا اَطْعَمْتَ زَوْجَکَ فَهُوَ لَکَ صَدَقَةٌ وَمَا اَطْعَمْتَ وَلَدَکَ فَهُوَ لَکَ صَدَقَةٌ وَمَا اَطْعَمْتَ خَادِمَکَ فَهُوَ لَکَ صَدَقَةٌ، وَمَا اَطْعَمْتَ نَفْسَکَ فَهُوَ لَکَ صَدَقَةٌ.

جو کچھ تو اپنی بیوی کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے اور جو کچھ اپنے بچوں کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے، اور جو کچھ اپنے خادم کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے اور جو کچھ تو خود کھائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے۔ (یعنی جب کہ ثواب مقصود ہو۔) (مسند احمد بن حنبل وطبرانی کبیر بسند صحیح)

یہ حدیث مطلق ہے جس میں امیر وغریب کی کوئی قید نہیں ہے اس لیے امیر، غریب، محتاج، مال دار ہر مسلمان کو ثواب کی نیت سے کھلانا اجر وثواب کا باعث ہے۔

اس باب میں اصل یہ ہے کہ صدقہ کی دو قسمیں ہیں۔ واجبہ، نافلہ۔ صدقۂ واجبہ وہ ہے جو بندے پر شرعاً واجب ولازم ہو جیسے زکوٰۃ، عشر، صدقۂ فطر وغیرہ۔ اس کا مصرف صرف فقیر محتاج مسلمان ہیں۔ یہ صدقہ صرف محتاج وفقیر کے لیے ہی جائز ہے اور امیر وغنی کے لیے ناجائز وگناہ ہے۔ اور صدقۂ نافلہ وہ ہے جو بندے پر شرعاً واجب ولازم نہ ہو، صرف مندوب ومستحسن ہو جیسے حدیث نبوی کے مطابق اپنی بیوی، بال بچے اور خادم کو ثواب کی نیت سے کھلانا حتیٰ کہ خود کھانا عام مسلمانوں کا مالی تعاون۔ یہ امیر غریب سب کے ساتھ جائز ہے اور ساتھ ہی باعث اجر وثواب بھی ہے، البتہ محتاج وفقیر پر تصدق کا ثواب امیر وغنی پر تصدق کے ثواب سے زیادہ ہے۔ توسط شرح سنن ابی داؤد میں ہے:

اَلصَّدْ قَةُ عَلَى الْغَنِىّ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا، يُثَابُ بِهٖ بِلَا خِلَافٍ

ہمارے نزدیک صدقۂ نافلہ مال دار کو بھی دینا جائز ہے اور دینے والا بالاتفاق مستحق ثواب ہوگا۔ (مجمع بحار الانوار)

رد المحتار میں بحر الرائق سے ہے: صَرَّحَ فِي الذَّخِيْرَةِ بِاَنَّ التَّصدُّق عَلَى الْغَنِي نَوْعُ قُرْبَةٍ دُوْنَ قُرْبَةِ الْفَقِيْرِ

ذخیرہ میں یہ صراحت ہے کہ مال دار کو صدقۂ نافلہ دینا بھی ایک طرح کا کارِ ثواب ہے، ہاں فقیر پر تصدق کے لحاظ سے اس کا ثواب کم ہے۔

اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ایصال ثواب کی شیرینی یا طعام بھی صدقۂ نافلہ ہی ہے کیوں کہ یہ بندے پر شرعاً واجب ولازم نہیں ہے صرف مندوب ومستحسن ہے اس لیے اس کا کھانا بھی امیر وغریب سب کے لیے جائز ہوگا۔ لیکن چوں کہ فقیر کو کھلانے میں ثواب زیادہ ہے اس لیے افضل یہ ہے کہ یہ شیرینی صرف غربا کو دی جائے اور اُمرا اس سے احتراز کریں۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

عند التحقیق صرف فقرا ہی پر تصدق میں ثواب نہیں بلکہ اغنیا پر بھی مورث ثواب ہے......... اگرچہ افضل وہی تھا کہ صرف فقرا پر تصدق کرتے کہ جب مقصود ایصال ثواب، تو وہی کام مناسب تر جس میں

ثواب اکثر و وافر۔ پھر بھی اصل مقصود مفقود نہیں جب کہ نیت ثواب پہنچانا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ۲۲۸ تا ۲۳۰، ج ۴)

یہ حکم عام مومنین ومومنات کے ایصال ثواب کے کھانے اور شیرینی کا ہے اور اولیاے کرام کے ایصال ثواب کا کھانا اور شیرینی تبرک ہے اس کا حکم امیر غریب سب کے لیے یکساں ہے چنانچہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: یہ حکم عام فاتحہ کا ہے نیازِ اولیاے کرام طعام موت نہیں، وہ تبرک ہے، فقیر و غنی سب لیں۔ (ص ۲۲۵، ج ۴)

مجدد اعظم امام احمد رضا ایک دوسرے مقام پر رقم طراز ہیں:

وہ طعام کہ نذر ارواحِ طیبہ حضراتِ انبیا و اولیا علیہم الصلاۃ والثناء کیا جاتا ہے یہ سب کو بلا تکلف روا ہے اور وہ ضرور باعثِ برکت ہے۔ برکت والوں کی طرف جو چیز نسبت کی جاتی ہے اس میں آجاتی ہے، مسلمان اس کھانے کی تعظیم کرتے ہیں اور وہ اس میں مصیب ہیں۔ (ص ۲۱۴، ج ۴)

حاصل کلام یہ کہ:

(الف) عام اَموات مسلمین و مسلمات کے فاتحہ وایصال ثواب کی شیرینی اور طعام صدقۂ نافلہ ہے جس کا کھانا امیر و غریب سب کے لیے جائز ہے۔

(ب) البتہ امیر کے لیے افضل یہ ہے کہ یہ شیرینی نہ لے، نہ کھانا کھائے کہ اس کے لیے یا کھانے سے میت کو ثواب کم ملے گا، اور یہ اغنیا کی شان کے لائق بھی نہیں کہ صدقہ کھائیں۔

(ج) اولیاے کرام اور انبیاے عظام کی بارگاہ میں جو طعام یا شیرنی نذر کی جاتی ہے وہ تبرک ہے اسے لینا اور کھانا سب کے لیے بلا تکلف روا ہے۔ امیر کے حق میں بھی خلاف افضل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

سوئم کے طعام و شیرینی کا حکم

صورت مسئولہ: تیسرے دن ختم کلام مجید پڑھایا جاتا ہے اس میں بھی تمام عزیز واقربا، پڑوسی، اغنیا سب کی شرکت ہوتی ہے۔ کیا اس شیرینی کو اغنیا لے کر کھائیں تو جائز ہے؟

الجواب: فاتحہ وایصال ثواب کے لیے طعام پیش کیا جائے یا شیرینی، دفن کے دوسرے روز، یا تیسرے روز، یا کسی اور روز، سب کا حکم شرعی ایک ہے کہ امیر و غریب سب کو لینا جائز ہے اور امیر کے لیے اس سے احتراز افضل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لڑکی کے ترکے میں ماں باپ کا حق ہے؟

صورت مسئولہ: ماں باپ نے لڑکی کو شادی میں زیور کپڑا برتن وغیرہ جو کچھ دینا تھا، دیا۔ کچھ دن بعد لڑکی اولاد چھوڑ کر انتقال کر گئی تو اس سامان سے لڑکی کے ماں باپ کو واپس لینے کا حق پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ماں باپ نے اپنی لڑکی کو جو کچھ زیورات، کپڑے اور جہیز وغیرہ کے سامان دیے ان سب کی مالک لڑکی ہے کہ ہمارے دیار کا عرف یہی ہے کہ یہ اشیا لڑکی کو بطور تملیک دی جاتی ہیں اور خاص جہیز کے بارے میں تو شامی میں یہ صراحت بھی ہے کہ وہ لڑکی کی ملک ہے اس لیے لڑکی کی وفات کے بعد اس کی یہ تمام املاک اس کا ترکہ قرار پائیں گی جس میں بلا شبہہ ماں باپ کا بھی حق ہے۔ صورت مسئولہ میں ان کا حق سُدس ہے یعنی لڑکی کے ترکے سے بعد تقدیم ما تقدم علی الارث ماں باپ میں سے ہر ایک کو ۱/۶ ملے گا، اور اگر اس لڑکی نے اولاد میں صرف لڑکی ہی چھوڑی ہو، کوئی لڑکا نہ ہو تو باپ کو حق تعصیب بھی ملے گا یعنی ذوی الفروض میں ترکہ تقسیم ہونے کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ سب بھی لے لے گا۔ ارشاد باری ہے: وَلِاَبَوَیۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

قبرستان پر کھیل کود وغیرہ کیسا ہے؟

صورت مسئولہ: قبرستان پر گائے، بیل باندھنا، نالی کا پانی بہانا، جوتا پہن کر چلنا اور کرکٹ و کبڈی کھیلنا کیسا ہے؟

الجواب: یہ تمام باتیں حرام و گناہ ہیں، ان کے مرتکب گنہگار و مستحق عذاب نار ہیں کہ یہ اَموات مسلمین کی بے حرمتی اور ایذا رسانی ہے۔ علماے کرام کا اتفاق ہے کہ مسلمان کی عزت زندہ مردہ برابر ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلۡمَیِّتُ یُؤۡذِیۡهِ فِیۡ قَبۡرِهٖ مَایُؤۡذِیۡهِ فِیۡ بَیۡتِهٖ۔ مردے کو قبر میں بھی اس بات سے تکلیف ہوتی ہے، جس سے اپنے گھر میں تکلیف ہوتی ہے۔ (مسند الفردوس) اسی لیے فقہاے کرام نے فرمایا: قبر سے ٹیک لگانا اس پر چلنا، بیٹھنا سونا، سب حرام ہے حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں

تک کہ وہ اس کے کپڑے کو جلا کر جلد تک پہنچ جائے اس کے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ قبر پر بیٹھے۔ (مسلم: ص۳۱۲، ج ۱/ ابوداؤد/ نسائی/ ابن ماجہ)

مسلم الثبوت میں ہے: **تحصیل اسباب الواجب واجب واسباب الحرام حرام بالاجماع** (ص:۳۸)۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے قبرستان کے نئے راستے میں چلنا حرام قرار دیا۔ چنانچہ شامی میں ہے: **نصوا علی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فیھا حرام** (آخر کتاب الطہارۃ بحوالہ طحطاوی) حتیٰ کہ فاضل محقق حسن شرنبلالی اور ان کے استاذ علامہ محمد بن حموی فرماتے ہیں:

چلنے میں جو آواز جوتے سے پیدا ہوتی ہے اس سے اَموات کو تکلیف پہنچتی ہے (مراقی الفلاح) جب جوتے کی آواز سے مردوں کو تکلیف ہوتی ہے تو اس پر دوڑنے اور جانور باندھنے سے ضرور تکلیف ہوگی اور جب قبرستان کے نئے راستے سے گزرنا اس لیے حرام ہوا کہ ہوسکتا ہے وہ راستہ کسی قبر پر سے گزرا ہو تو مسئلہ دائرہ میں یہ امکان بہت قوی ہے بلکہ اس کا گمان غالب ہے کیوں کہ راستہ نکالنے میں لوگ یہ احتیاط برتتے ہیں کہ قبر سے نہ گزرے مگر جانوروں سے احتیاط کی کیا امید۔ اور کرکٹ، کبڈی کھیلنے والے تو ان سے بھی زیادہ آزاد وغیر محتاط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

وراثت کا ایک اہم مسئلہ

صورت مسئولہ: جناب عاشق علی صاحب صدیقی برواں پرودل کشی نگر کو اللہ تعالیٰ نے سات اولاد عطا فرمائی جن میں پانچ لڑکے کاظم علی، محمد اکرم، محمد اسلم، فیاض احمد، اصغر علی اور دو لڑکیاں صالحہ خاتون، سیدہ خاتون۔ جن میں سے جناب محمد اکرم مرحوم کا انتقال ہوگیا۔ ان کے انتقال کے بعد جناب عاشق علی صاحب نے محمد اکرم مرحوم کی بیوہ اور اپنی بہو بیت النساء کا نکاح اپنے چھوٹے لڑکے اصغر علی سے کردیا۔ جناب محمد اکرم مرحوم کی پشت سے ایک لڑکی صادقہ خاتون ہے جو اس وقت دس سال کی ہوچکی ہے اور درجۂ پنجم میں تعلیم حاصل کررہی ہے جو اصغر علی کے زیر پرورش ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جناب عاشق علی صاحب کی زمین وجائداد میں صادقہ خاتون کا شریعت کی جانب سے کتنا حصہ ہے؟ جناب عاشق علی صاحب اپنی زندگی میں ہی اپنی جائداد اپنی اولاد میں بانٹنے جارہے ہیں۔ ان کی جائداد کتنے حصے میں بٹے گی اور کس کو کتنا حصہ ملے گا؟ دونوں لڑکیاں شادی شدہ ہیں وہ اپنے اپنے گھر چلی گئی ہیں وہ اپنا حصہ نہیں لینا چاہتی ہیں۔ اب جائداد کتنے حصے میں تقسیم ہوگی۔

نیز جناب عاشق علی صاحب نے بیت النساء کی شادی کرتے وقت اصغر علی سے کہہ دیا تھا کہ صادقہ کو ہم دس کٹھا زمین دیں گے۔ اگر اس پر سارے مستحقین راضی ہیں تو عندالشرع راضی رہنا درست ہے یا درست نہیں؟۔

المستفتی: فیاض احمد برکاتی۔ مقام براں پردل پوسٹ سریہتی، کشی نگر

الجواب: (۱) جب محمد اکرم کا انتقال اس کے والد عاشق علی کی حیات ہی میں ہوگیا تو قانونِ میراث کے نقطۂ نظر سے اس کی بچی صادقہ محجوب ہوگی۔ ایسے بچوں کے لیے شریعت نے دادا کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ انہیں اپنی جائداد سے جو کچھ چاہیں دے دیں، اس میں دادا کے لیے اجر وثواب بھی ہے اور اللہ عزوجل ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی بھی لہٰذا عاشق علی صادقہ کو وہ دس کٹھا زمین دے دے جس کا اس نے وعدہ کیا ہے، چاہے تو اس سے زیادہ بھی دے سکتا ہے، یہ اس کی طرف سے اپنی پوتی کے لیے عطیہ وبخشش ہے، اور اس پر اس کی اولاد میں سے کسی کو بھی روک ٹوک کا کوئی حق نہیں، ہاں اس کی اولاد بھی اگر اس پر راضی ہو تو انہیں بھی عنداللہ اس کا ثواب ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) باپ اپنی حیات میں اپنی جائیداد اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہے تو مسئلہ یہ ہے کہ اپنی تمام اولاد کو برابر دے، جتنا لڑکوں کو دے اتنا ہی لڑکیوں کو بھی دے، یہ افضل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ قانونِ میراث کے مطابق لڑکیوں کو آدھا اور لڑکوں کو دوگنا دے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ جائز ہے کہ عاشق علی اپنے اور اپنی بیوی کے گزارے کے لیے جو کچھ چاہے رکھ لے۔ اس کے بعد جو بچے اسے دس برابر حصوں میں تقسیم کرکے دو دو حصے ہر لڑکے کو دے اور ایک ایک حصہ ہر لڑکی کو دے۔ لڑکیاں اگر اپنا حصہ نہیں لینا چاہتیں تو بھائیوں کو دے سکتی ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ انہیں کچھ دے کر انہیں بھی مالک بنا دیا جائے تاکہ آئندہ ہمیشہ کے لیے سدِ بابِ نزاع ہوجائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

●●

مکاتب کے ذمے داروں سے چند باتیں

ہماری دینی تعلیم کی بنیادیں اس وقت تک کمزور رہیں گی جب تک مکاتب کا نظام درست نہیں ہوگا

از: مولانا عبداللہ اعظمی نجمی

قرآن مقدس کی تلاوت کے فضائل و برکات اور منافع وفوائد سے کسے انکار ہوسکتا ہے۔ تلاوتِ قرآن کی عادت بنانے والے کو قیامت کے دن تاجِ کرامت پہنایا جائے گا، عزوشرف کا جوڑا پہنایا جائے گا، اسے رب کی رضا مندی حاصل ہوگی، اس کے درجات بلند ہوں گے، قرآن مقدس تلاوت کرنے والے کے ساتھ قبر میں بھی ہوگا، اس کی حمایت وحفاظت کرے گا اور قیامت کے دن اس کی شفاعت بھی کرے گا۔ جو لوگ قرآن مقدس سے دور ہیں ان کے متعلق حدیثِ پاک میں ہے کہ جس کے سینے میں قرآن کا کوئی حصہ نہیں ہے اس کا سینہ ویران گھر کی طرح ہے۔

ان فضائل وفوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ بہ آسانی نکالا جاسکتا ہے کہ قرآن کی تعلیم حاصل کرنا اور اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم دینا انتہائی اہمیت اور فضیلت کا باعث ہے مگر ایک بات ذہن نشیں رہے کہ تلاوتِ قرآن اسی وقت ان فضائل کا باعث بنے گی جب کہ تلاوت کے آداب اور حقوق کی رعایت کے ساتھ کی جائے۔ تلاوتِ قرآن کس طرح کی جائے اس تعلق سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ترجمہ: قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھو۔ (سورۂ مزمل: آیت ۴)

اس آیت کی تفسیر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے: تَجْوِیْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَۃُ الْوُقُوْفِ۔

(منار الہدیٰ فی بیان الوقف والابتداء: ص ۱۳)

یعنی ترتیل کا مطلب یہ ہے کہ حروف کو صحیح مخارج اور صفات سے ادا کیا جائے اور وقف کرنے کی جگہوں کو پہچانا جائے۔ جب اس انداز سے تلاوت ہوگی تو حدیثِ پاک کے مطابق یہ فضیلت حاصل ہوگی: اَلْمَاھِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَۃِ الْکِرَامِ الْبَرَرَۃِ۔

(یعنی قراءتِ قرآن کا ماہر نیکی والے عزت والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ (صحیح مسلم: حصہ اول، ص ۵۴۹)

ان فضائل ومناقب کو اپنے ذہن میں رکھیں اور اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو مسلمانوں کی اکثریت اپنے بچوں کو قرآنِ مقدس کی تعلیم دینے سے یا کم از کم صحیح تعلیم دینے سے غافل ہے۔ یہ غفلت چند اعتبار سے ہے۔ بعض کی بے توجہی ہے جس کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کا بچہ جوان ہوجاتا ہے اور انگریزی میڈیم کی تعلیم حاصل کرکے مہارت کے ساتھ انگلش تو بولتا ہے لیکن اس کے اندر قرآن مقدس کی چند آیتیں صحیح سے تلاوت کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ بعض والدین اگر کچھ توجہ دیتے ہیں تو محلّے میں جاری مکاتب میں اپنے بچوں کا داخلہ کروا دیتے ہیں اور بس۔ جب کہ اکثر مکاتب کا حال یہ ہے کہ ان میں بس خانہ پُری ہوتی ہے۔ صحیح معنوں میں قرآن مقدس کی جو تعلیم ہونی چاہیے، نہیں ہوتی۔ اس کے متعدد اسباب ہیں۔ کچھ منتظمین کی جانب سے کوتاہیاں ہیں کہ معلّمین کی تنخواہیں کم ہوتی ہیں اور طلبہ کی تعداد اتنی زیادہ کہ انھیں وہ صحیح تعلیم نہیں دے سکتے۔ پھر عموماً مکاتب کے معلّمین کا یہ حال ہے کہ وہ خود صحیح طور پر قرآن مقدس پڑھنا نہیں جانتے تو طلبہ کو کیا پڑھائیں گے اور اگر جانتے بھی ہیں تو وہ کیا تعلیم دے رہے ہیں اور ان کی درسگاہ میں پڑھنے والے طلبہ میں کیا صلاحیت پیدا ہورہی ہے اس کا کوئی پُرسانِ حال نہیں۔ اس کی بنیاد پر وہ تعلیم میں تساہلی برتتے ہیں جس کا طلبہ کی استعداد پر براہِ راست منفی اثر ہوتا ہے۔

کچھ والدین قدرے اہمیت دیتے ہیں تو اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے کوئی معلم خاص کر دیتے ہیں جو گھر آکر انھیں ٹیوشن دیتے ہیں۔ ان بچوں کی کچھ حد تک صحیح تعلیم ہوجاتی ہے اور وہ کچھ حد تک قرآنِ مقدس کی صحیح انداز میں تلاوت کرنے لگتے ہیں۔

بچوں کو قرآنِ مقدس کی ناظرہ خوانی کی صحیح تعلیم دینے کے لیے چند امور توجہ طلب ہیں، ان کا لحاظ کیا جائے تو صحیح تعلیم ممکن ہوگی اور اگر ان کو نظر انداز کر دیا گیا تو نظر انداز کرنے والے عند اللہ مجرم ٹھہریں گے اور ان سے باز پُرس کی جائے گی۔ حدیثِ پاک میں فرمایا گیا: کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَّسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ (بخاری: حصہ دوم، ص ۵)

استاذ جامعہ حراانجم العلوم، مہاپولی، بھیونڈی

ترجمہ: تم میں سے ہر کوئی ذمے دار ہے اور ہر کسی سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اس صورت حال کے متعلق ہم نے چند گزارشات مرتب کی ہیں ان میں بعض والدین کے لیے ہیں، بعض اساتذہ کے لیے اور بعض مدارس ومکاتب کے ذمے داروں کے لیے۔

والدین سے متعلق امور

(۱) بچوں کو قرآنِ مقدس کی صحیح تعلیم دینا اپنی ذمے داری سمجھیں اور اس کی جانب خصوصی توجہ دیں۔ حدیثِ پاک میں ہے: **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ**۔ (سنن ابن ماجہ: حصہ اول، ص۱)

ترجمہ: (دینی) علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(۲) مناسب عمر میں ان کی سلسلہ وار تعلیم شروع کردیں۔

(۳) تعلیم کے لیے مخلص باصلاحیت استاذ کی رہنمائی حاصل کریں جو تجوید کی رعایت کے ساتھ صحیح طور پر تعلیم دے۔

(۴) جس طرح دنیوی تعلیم دینے کے لیے پیسے خرچ کرنے کو گراں نہیں محسوس کرتے اسی طرح تعلیمِ قرآن کے لیے بھی اچھے معلم کی خدمات حاصل کرکے انھیں خاطر خواہ فیس دیں۔

(۵) بعض جگہوں پر غریب عورتیں قرآنِ مقدس پڑھاتی ہیں، اگر وہ تجوید کی رعایت کے ساتھ پڑھاتی ہیں تبھی اپنے بچوں کو ان کے پاس پڑھنے کے لیے بھیجیں ورنہ ہرگز نہ بھیجیں۔

(۶) مکاتب میں بھی تعلیمِ قرآن عموماً معیاری نہیں ہوتی اس لیے اگر کسی مکتب میں بھیجنے کا ارادہ ہو تو اولاً اس کا معیارِ تعلیم جانچ لیں اس کے بعد وہاں بھیجیں۔

اساتذہ سے متعلق امور

تعلیمِ قرآن واقعی بڑا مبارک کام ہے اور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معلمِ قرآن کو بہترین مسلمان قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے: **خَیْرُکُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَه**۔ (بخاری: حصہ ششم، ص۱۹۲)

ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔

اس لیے معلمِ قرآن کو چند امور کی طرف توجہ دینا انتہائی ضروری ہے۔

(۱) طلبہ کو صحیح تعلیم دینا اپنی اولین ذمے داری سمجھیں۔

(۲) اس بات کو ذہن نشیں کرلیں کہ استاذ نے اگر تعلیم دینے میں کوتاہی کی اور طالب علم کی صحیح تعلیم نہیں ہوئی جس کی بنیاد پر وہ قرآنِ مقدس کو صحیح طور پر نہیں پڑھ رہا ہے تو بروزِ قیامت استاذ سے باز پُرس ہوگی اور وہ جہاں کہیں پڑھنے میں غلطی کرے گا اس کے استاذ اس کے گناہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔

(۳) عموماً مکاتب میں ایک استاذ کے تحت ۶۰-۷۰ طلبہ ہوتے ہیں جنھیں ڈیڑھ دو گھنٹے میں پڑھانا ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اتنے کم وقت میں اتنے طلبہ کی صحیح تعلیم تو بہت دور کی بات ہے رسمی تعلیم بھی مشکل ہے اس لیے استاذ کو چاہیے کہ صرف اسی قدر طلبہ کو پڑھانے کی ذمے داری قبول کریں جن کی صحیح طور پر تعلیم کرسکیں۔

(۴) ہر طالبِ علم سے علیٰ حدہ علیٰ حدہ سبق سنیں۔

(۵) سبق سننے کے دوران پوری توجہ رکھیں۔

(۶) ابتدا ہی سے تجوید کے قواعد واصول کی رعایت کے ساتھ پڑھنے کی تاکید کریں۔

(۷) اس بات کو ہمہ وقت ذہن میں رکھیں کہ طلبہ کی صحیح تعلیم آپ کا دینی، اخلاقی اور منصبی فریضہ ہے۔ اس میں ہونے والی کوتاہی آپ کو عنداللہ مجرم ٹھہرا دے گی۔

(۸) اگر کوئی صاحب خود تجوید کی رعایت کے ساتھ قرآن مجید نہیں پڑھ سکتے تو خدارا وہ تعلیمِ قرآن کی اہم ذمے داری اپنے سر نہ لیں۔ انھیں چاہیے کہ کسبِ معاش کے دیگر ذرائع تلاش کریں۔ روزی دینے والا خداے تعالیٰ ہے، ان شاء اللہ وہ غیب سے اسباب فراہم کرے گا۔

منتظمین سے متعلق امور

ہر علاقے میں کچھ اصحابِ خیر ہوتے ہیں جو اپنے علاقے کے بچوں کی تعلیمِ قرآن کا حتی المقدور بندوبست کرتے ہیں۔ عموماً مسجدوں کی کمیٹیوں کے ممبران بھی اس جانب اہم اقدام کرتے ہیں۔ یہ واقعی ان کے لیے سرمایہ آخرت اور نجات کا سامان ہے لیکن کچھ ایسے معاملات ہیں کہ ان کی جانب کم توجہ دینے کی وجہ سے یا عدم توجہی کی وجہ سے ان کی مخلصانہ کوشش سے جو نتائج برآمد ہونے چاہئیں وہ نہیں ہوتے بلکہ بعض اوقات منفی نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے منتظمینِ مدارس ومکاتب کو درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا انتہائی ناگزیر ہے۔

(۱) مکتب کی تعلیم اور نظم وضبط کی نگرانی کی ذمے داری کسی معتبر

عالم وقاری کے سپرد کریں اوران کی مناسب خدمت بھی کریں تا کہ وہ اپنی نگرانی میں مکتب اور اس کے تعلیمی معیار کو ترقی دیں اور طلبہ کی صحیح تعلیمِ قرآن ہو سکے۔

(۲) مدرس کو اس کی تقرری کے بعد تنخواہ دے کر ایک یا دو ماہ کسی اچھے ادارے میں ٹریننگ پر رکھا جائے اور بعدِ ٹریننگ ان سے مطلوبہ جگہ پر تدریسی خدمات حاصل کی جائیں۔

(۳) مکتب میں داخلے، تعلیم، امتحان وغیرہ کے اصول وضوابط مرتب کریں اور تعلیم کو معیاری بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اس سلسلے میں علما اور قرا حضرات سے مشورے بھی لیں۔

(۴) اساتذہ کی تقرری کرنے سے پہلے کسی ماہر عالم وقاری سے ان کی صلاحیت اور اندازِ تعلیم کی جانچ کروائیں۔

(۵) اساتذہ کے لیے کسی ماہر عالم وقاری سے اصول وضوابط اور ہدایات مرتب کروائیں۔

(۶) وقتاً فوقتاً امتحانات ہوں، معیارِ تعلیم اور طلبہ کی تعلیمی ترقی وغیرہ کی اچھی طرح جانچ ہو۔

(۷) معلّمین کو خاطر خواہ تنخواہ دیں تا کہ وہ دلجمعی کے ساتھ تعلیمی خدمات کی انجام دہی کر سکیں۔

(۸) اگر مکتب کی آمدنی کے دیگر ذرائع موجود ہوں تب بھی طلبہ کے لیے (معمولی ہی سہی) فیس مقرر کریں اور اگر ذرائعِ آمدنی نہیں ہیں تو مناسب فیس مقرر کریں۔ البتہ غریب ونادار طلبہ کے لیے خصوصی رعایت رکھیں۔

(۹) عموماً مکاتب میں دو گھنٹے صبح اور دو گھنٹے شام میں تعلیم ہوتی ہے اور ایک ایک استاذ کے پاس کافی تعداد میں طلبہ ہوتے ہیں۔ ہر استاذ کو بس اتنے ہی طلبہ کی تعلیم کی ذمے داری دی جائے جن کو وہ مقررہ وقت میں صحیح طور پر تعلیم دے سکیں ورنہ طلبہ کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں تعلیم محض رسمی رہ جائے گی اور خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہو سکیں گے۔

(۱۰) اس بات کو ذہن نشیں کر لیں کہ آپ کی قائم کردہ تعلیم گاہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کو اگر قرآنِ مقدس کی صحیح تعلیم نہیں دی گئی اور اس کے اندر قرآنی الفاظ کی صحیح ادائیگی کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی تو قیامت کے دن آپ کو جواب دہی کرنی ہوگی۔

یہ چند توجہ طلب امور تھے جن کی جانب والدین، اساتذہ اور منتظمین کی توجہ مبذول کروائی گئی۔ اگر ان باتوں کا خیال رکھا گیا تو مکاتب کی تعلیم کا معیار کافی حد تک اچھا ہو سکتا ہے اور ان میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد طالب علم قرآنِ مقدس کی تلاوت تجوید کے قواعد کی روشنی میں کرے گا تو اس طالب علم کے ساتھ ساتھ اس کے والدین، اساتذہ اور منتظمین بھی اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔

الحمدللہ! تحریک سنّی دعوتِ اسلامی نے اس جانب اہم اقدامات کیے ہیں اور کئی علاقوں میں بحمدہٖ تعالیٰ منظّم مکاتب کا قیام بھی ہو چکا ہے جن میں معیاری تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ معیاری نصابِ تعلیم کے طور پر تحریک کے ادارۂ معارفِ اسلامی نے ''نوری قاعدہ'' بھی قوم کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔

●●

حافظ دین وملت پہ لاکھوں سلام

اپنے عہد کی عظیم شخصیت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ کے عشق نبوی سے معطر چند گوشے

از: محمد اظہار النبی حسینی ابوالعلائی

آپ جہانِ عشق اور عاشقوں کے تذکرے پڑھیں، آپ محسوس کریں گے کہ جہانِ عشق کی بھی کیا خوب باتیں ہیں جہاں وصالِ محبوب ہی مقصود ہوتا ہے، جہاں وصال کی امید اور تمنا ہی زندگی کی سانسیں ہو جاتی ہیں۔ یہ عشق ہی وہ مرض ہے جس کی لذت سے شادکام ہونے کے بعد عاشق اسے اپنی جان تصور کرتا ہے، بارگاہِ خداوندی میں روز بروز اس میں زیادتی کے لیے دعا گو رہتا ہے اور درد کا مزہ ایک بار جسے نصیب ہو جاتا ہے وہ نازِ دوا اٹھانے کی فکر نہیں کرتا۔ اگر آپ کو پڑھنے کی فرصت نہیں تو ٹھیک ہے، اس ناچیز کو اپنے چند منٹ عطا کیجیے کہ جہان عشق کے ایک عاشق رسول کے چند گوشے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرسکوں۔ یہ عاشق رسول وہی شخصیت ہے جسے دنیا جلالۃ العلم استاذ العلما حافظ دین وملت ابوالفیض شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی ثم مبارک پوری کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

جوتا پہننے کی سنت: نعلین پہننا سنت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سیدھا جوتا پہنے پھر الٹا اور اتارنے میں پہلے الٹا اتارے پھر سیدھا۔ چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ: إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُمْنَى، وَإِذَا خَلَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُسْرَى. یعنی جب کوئی شخص جوتا پہنے تو پہلے داہنے پاؤں میں اور جب اتارے تو پہلے بائیں پاؤں کا اتارے۔

(سنن ابن ماجہ: کتاب اللباس، باب لبس النعال وخلعها، حدیث: ۳۶۱۶)

اب سنیے! اپنے محبوب کی اداؤں سے اپنی زندگی کو سجانے والے ایک عاشق حضرت حافظ ملت کی داستان۔ آپ اپنے ہر عمل میں سُنّت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے چناں چہ ایک بار حضرت کے دائیں پاؤں میں زخم ہو گیا، ایک صاحِب دوا لے کر پہنچے اور کہا: حضرت! دوا حاضر ہے۔ جاڑے (یعنی سردیوں) کا زمانہ تھا حضرت موزہ پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے پہلے بائیں (یعنی اُلٹے) پاؤں کا موزہ اُتارا، وہ صاحِب بول پڑے: حضرت! زخم تو داہنے (یعنی سیدھے) پاؤں میں ہے۔ آپ نے فرمایا: بائیں (یعنی اُلٹے) پاؤں کا پہلے اُتارنا سُنّت ہے۔ (ماہنامہ اشرفیہ: اپریل ۲۰۱۲ء)

ملاحظہ تو کیجیے محبوب کی ادا کو کس توجہ اور اہتمام سے ادا کیا جارہا ہے اور یہ ایسا بھی نہیں کہ غیر ارادی طور پر ایسا ہو گیا ہو بلکہ اہتمام کے ساتھ۔ جبھی تو جواب دیا ”بائیں پاؤں کا پہلے اُتارنا سنت ہے“۔ اے کاش کہ ہمیں بھی سنتوں پر عمل کا جذبہ نصیب ہو جائے۔ (آمین)

سرمہ کی سنت: سرمہ لگانا ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: **أن النبي صلى الله عليه و سلم كانت له مكحلة يكتحل بها كل ليلة ثلاثة في هذه وثلاثة في هذه** یعنی نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے ہر آنکھ میں اِثمد کی تین سلائیاں لگایا کرتے تھے۔

(جامع الترمذی: کتاب اللباس، باب ماجاء فی الاکتحال، حدیث ۱۷۵۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت مبارکہ پر بھی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا عمل تھا چناں چہ حیات حافظ ملت میں ایک واقعہ یوں ہے:

حضور حافظِ ملّت کی عمر شریف ستّر سال سے مُتجاوِز (زیادہ) ہو چکی تھی، ٹرین سے سفر کر رہے تھے جس بَرتھ پر تشریف فرما تھے، اتّفاق سے اُس پر ایک ڈاکٹر صاحِب بھی بیٹھے تھے، ڈاکٹر صاحِب نے سِلسلہ کلام شُروع کیا تو آپ کی جلالتِ علمی سے بہت متاثر ہوئے اور بار بار آپ کی طرف حیرت سے دیکھتے رہے۔ دورانِ گفتگو ڈاکٹر صاحِب نے تَعَجُّب کا اظہار کرتے ہوئے کہا: مولانا صاحِب! میں آنکھوں کا ڈاکٹر ہوں، میں دیکھ رہا ہوں کہ اِس عمر میں بھی آپ کی بینائی میں کوئی فَرق نہیں بلکہ آپ کی آنکھوں میں بچّوں کی آنکھوں جیسی چمک ہے، مجھے بتائیے کہ اس کے لیے آخر کیا چیز استِعمال کرتے ہیں؟ فرمایا: ڈاکٹر صاحِب! میں کوئی خاص دوا وغیرہ تو استِعمال نہیں کرتا، ہاں ایک عمل ہے

متعلم جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

جسے میں بِلا ناغہ کرتا ہوں، رات کو سونے کے وَقت سُنّت کے مطابِق سُرمہ استِعمال کرتا ہوں اور میرا یقین ہے کہ اِس عمل سے بہتر آنکھوں کے لیے دُنیا کی کوئی دَوا نہیں ہوسکتی۔(ماہنامہ اشرفیہ: اپریل ۲۰۱۲ء)

سنت کے مطابق زندگی: آپ کی زندگی نہایت سادہ اور پُرسُکون تھی۔ جو لباس زیبِ تن فرماتے وہ موٹا سوتی کپڑے کا ہوتا، کُرتا کلی دار لمبا ہوتا، پاجامہ ٹخنوں سے اوپر ہوتا، سر مبارک پر ٹوپی ہوتی جس پر عمامہ ہر موسم میں سجا ہوتا، شیروانی بھی زیبِ تن فرمایا کرتے، چلتے وقت ہاتھ میں عصا ہوتا۔ راستہ چلتے تو نگاہیں جُھکا کر چلتے اور فرماتے: میں لوگوں کے عُیوب نہیں دیکھنا چاہتا۔ گھر میں ہوتے تو بھی حَیا کو ملحوظِ خاطر رکھتے، صاحبزادیاں بڑی ہوئیں تو گھر کے مخصوص کمرے میں ہی آرام فرماتے، گھر میں داخل ہوتے وقت چھڑی زمین پر زور سے مارتے تاکہ آواز پیدا ہو اور گھر کے لوگ خبردار ہوجائیں، غیر مُحرم عورتوں کو کبھی سامنے نہ آنے دیتے۔(فیضان حافظ ملت: ص ۱۶)

سنت کے مطابق عادات مبارکہ: وضو کرنے کے لیے بیٹھنا ہوتا قبلہ رخ بیٹھتے۔ حضرت کا پاجامہ کبھی اتنا لمبا نہ دکھا کہ ٹخنہ چھپ جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کی وضع اور لباس کا انداز دیکھ کر لوگوں کو شرعی وضع سمجھ میں آجاتی تھی۔ سفر و حضر میں حضور حافظ ملت کی پیاری پیاری اداؤں میں سے یہ بھی تھا کہ کھانے سے پہلے اور بعد دونوں ہاتھ گٹے تک دھوتے اور لقمہ خوب چبا کر کھاتے، کھانا خواہ مزاج کے موافق ہو یا ناموافق، اس میں عیب نہ نکالتے۔ کھانے کے بعد فوراً پانی نہ پیتے بلکہ کچھ وقفے کے بعد پیتے۔ اسی طرح پانی جب بھی پیتے، چوس کر تین سانس میں پیتے۔(ماہنامہ اشرفیہ: اپریل ۲۰۱۲ء)

سیرت نبوی کا واقعہ: جامعہ اشرفیہ میں دوران طالب علمی ایک مرتبہ اشرفیہ کے ہوسٹلس کے نگراں ماسٹر فیاض صاحب کے دولت خانے پر ہم لوگوں کی دعوت تھی۔ اس موقع پر ماسٹر صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضور حافظ ملت کے پاس ایک صاحب آئے اور عرض کی: حضور! کافی تنگ دست ہوں، کبھی کبھی فاقے کی بھی نوبت آپڑتی ہے، آپ دعا فرمائیں اور کوئی وظیفہ عطا فرمائیں کہ تنگ دستی دور ہوجائے۔ آپ نے اس سے فرمایا: ایک طالب علم کو اپنے گھر کھانا کھلانا شروع کردو۔ وہ شخص حیران ہوا لیکن پھر حامی بھر لی کہ حضور حافظ ملت کا قول تھا۔ کچھ مہینوں کے بعد وہ شخص حاضر بارگاہ ہوا تو حافظ ملت نے اس سے حالات دریافت کیے۔ اس نے جواب دیا کہ حضور! آپ کی دعاؤں سے کافی آسانیاں ہوئیں اور اب فاقے کی نوبت نہیں آتی۔ اس کے بعد ماسٹر صاحب نے فرمایا کہ طلبہ کی ضیافت میں تو میں نے کافی برکت دیکھی اور پائی بھی ہے اور اسی لیے میں وقتاً فوقتاً دو تین طلبہ ہی سہی، دعوت کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں۔

یہ واقعہ حیران کن ضرور ہے کہ ایک شخص اپنی تنگ دستی اور فاقے کی بات کر رہا ہے اور حافظ ملت اسے ایک طالب علم کے کھلانے کا سلسلہ شروع کرنے کو فرما رہے ہیں لیکن اس ناچیز راقم کا حسن ظن ہے کہ حضور حافظ ملت نے یوں ہی ایسا نہیں فرمایا ہوگا بلکہ آپ کی نگاہوں میں سیرت نبوی کا یہ واقعہ ہوگا: **"عن انس بن مالک قال: کان اخوان علی عھد النبی ﷺ فکان احدھما یاتی النبی ﷺ والآخر یحترف فشکی المحترف اخاہ الی النبی ﷺ فقال لعلک ترزق بہ** "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں دو بھائی تھے، ان میں سے ایک نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (علم دین سیکھنے کے لیے) آتا تھا اور دوسرا بھائی کام کاج کیا کرتا تھا۔ ایک دن کاریگر بھائی نے نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی شکایت کی (کہ وہ بھی کام کرتا تو مجھے آسانی ہوتی) تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تجھے اس (کے علم) کی برکت سے روزی مل رہی ہے۔" (ترمذی: باب فی التوکل علی اللہ، حدیث ۲۵۱۶)

یقیناً آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ عشق رسول کیا ہوتا ہے اور اس کے متوالے کیسے ہوتے ہیں لیکن آہ! آج ہم بھی ان کا کلمہ پڑھتے ہیں، ان کے نام پر جان نچھاور کرنے کی باتیں کرتے ہیں پھر بھی محبوب حقیقی کی شان میں گستاخیاں کرنے والوں، ان کے کارٹون بنانے والوں، ان کی تعلیمات کا مذاق اڑانے والوں کے طور طریقے اپنائے ہوئے ہیں۔ کیا اسے ہی عشق کہتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ عشق کا درس تو وہ ہے جو حافظ ملت نے اپنے عمل کے ذریعے ہمیں دیا۔ آیئے ہم سبھی ان بزرگوں کے دیے ہوئے درس کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا جام پییں۔ ساتھ ہی ان گستاخان رسول کا بائیکاٹ کچھ یوں کریں کہ فرنگی لباسوں اور فیشنوں کو چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اپنائیں۔

●●

مفتی اعظم ہند اور صدرالافاضل: والہانہ لگاؤ

از: مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی

جس وقت بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حضرت صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کی پہلی حاضری ہوئی اُس وقت حضور مفتی اعظم ہند کی عمر اکیس سال تھی۔تب سے جو تعلق قائم ہوا وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی چلا گیا۔اس تعلق کی نوعیت خلوص، ایثار اور والہانہ محبت پر تھی۔محبت والفت، احترام واکرام اور قدردانی میں دونوں بزرگ ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔

مفتیِ اعظم کا صدرالافاضل سے لگاؤ:

جب ۱۹۲۳ء میں شدت پسند ہندوؤں کی تنظیم شدھی اور سنگٹھن نے مسلم راجپوتوں کے خلاف ارتداد کی مہم چلائی اور لاکھوں مسلمانوں کو مرتد بنا ڈالا تب سرزمین بریلی سے اس فتنے کے خلاف حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے آواز اٹھائی اور مرادآباد سے امام الہند حضرت صدرالافاضل کو یاد فرمایا۔آپ حاضر ہوئے تو حجۃ الاسلام نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے جن دو شخصیتوں کا انتخاب فرمایا وہ حضور مفتی اعظم ہند اور صدرالافاضل تھے۔ان کی سرپرستی میں علما کا دس رکنی قافلہ روانہ ہوا۔اس دس رکنی وفد نے راجپوتوں کو واپس اسلام میں لانے کے لیے بڑی مشقتیں اٹھائیں اور محنتیں کیں۔جب یہ وفد آگرہ پہنچا جہاں اس ارتدادی مہم نے کافی مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کر دیا تھا تو وہاں کی جامع مسجد میں حضرت صدرالافاضل کا خطاب نایاب ہوا جس کی مکمل روداد تحریری روپ میں حضرت مفتی اعظم ہند نے اس طرح درج کی ہے:

’’ہمارے وفد کے بہترین رکن حضرت مولانا المحترم مولوی محمد نعیم الدین صاحب زیدت برکاتہ نے اسلام کی شان وشوکت اور موجودہ حالت زار پر دل گداز تقریر فرمائی۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجمع ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا اور مسلمانوں کے دل اسلامی جوش سے لہریں مار رہے تھے۔‘‘ (دبدبہ سکندری: مجریہ:۱۹فروری ۱۹۲۳ء)

اس اقتباس کا ایک ایک لفظ کس قدر اپنائیت اور محبت سے بھرا ہے۔اس پر مزید تبصرے کی گنجائش نہیں لیکن ہاں یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ حضرت مفتی اعظم ہند اگر چاہتے تو خود بھی خطاب فرما سکتے تھے مگر آپ نے خود خطاب نہ فرما کر صدرالافاضل کو آگے بڑھایا اور ساتھ ہی ان کو وفد کا بہترین رکن بھی قرار دیا، حالاں کہ اس وفد میں خود سرکار مفتی اعظم بھی شریک تھے مگر آپسی احترام کا یہ عالم کہ حضرت صدرالافاضل کو اپنے اوپر فوقیت دے رہے ہیں۔یہ تواضع وخاکساری کی عمدہ مثال ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ ۔جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا اللہ رب العزت اس کے درجہ کو بلند فرمائے گا۔صدرالافاضل کے تعلق سے مفتی اعظم ہند کا یہ طرز عمل یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ وہ کس قدر وسیع القلب اور خوبیوں کا برملا اعتراف کرنے میں کس قدر فراخ دل تھے۔یہ تعلقات ایک طرفہ نہیں تھے بلکہ باہمی جذبہ تھا جس کا اظہار وقتاً فوقتاً دونوں جانب سے ہوتا تھا۔اب حضرت مفتی اعظم کے تعلق سے سرکار صدرالافاضل کا طرز عمل دیکھیں۔

مفتی اعظم ہند کا شہر صدرالافاضل سے لگاؤ:

ہمارے ایک عزیز اور کرم فرما حضرت مولانا نعیم الدین رضوی علیگ جو ایک مشہور عالم اور خطیب ہیں موضع تمرٹیا کلاں ضلع مرادآباد کے رہنے والے ہیں انہوں نے اپنے والد ماسٹر محمد اشفاق قریشی صاحب کے حوالے سے بتایا کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو ان کے والد بریلی شریف حاضر ہوئے اور حضرت مفتی اعظم ہند سے ملاقات کرنے کے بعد دل کا مدعا عرض کیا کہ حضرت غلام زادہ پیدا ہوا ہے، آپ اس کے بلند نصیبہ کے لیے دعا فرمادیں اور اس کا نام بھی تجویز فرمادیں۔یہ بات سن کر حضرت مفتی اعظم ہند نے فرمایا کہ ماسٹر صاحب آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں،انہوں نے عرض کی حضور! میں مرادآباد سے حاضر ہوا ہوں۔یہ سن کر مفتی اعظم مسکرائے اور کہا کہ شہر صدرالافاضل سے آئے ہو۔انہوں نے عرض کی جی حضور! یہ سن کر

مفتی اعظم نے بڑی معنیٰ خیزی کے ساتھ فرمایا کہ جب صدرالافاضل کے شہر سے آئے ہیں تو نام بھی ان کے نام پر ہی رکھیے، جایئے آپ کے اس بیٹے کا نام حضرت صدرالافاضل کے نام پر "نعیم الدین" رکھا جاتا ہے۔

اس واقعے سے آپ اندازہ لگائیں کہ مفتی اعظم صدرالافاضل اوران کے شہر سے کتنی محبت فرماتے تھے اور یہ سرکارِ مفتی اعظم کی کشادہ قلبی کا ایک روشن باب بھی ہے کہ اپنے مرید کے بیٹے کا نام خود پر یا اپنے شیخ پر نہ رکھ کر صدرالافاضل کے نام پر رکھا جو ان کی صدرالافاضل سے بے انتہا محبت کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ سچ ہی کہا ہے کسی نے کہ جب کسی سے سچی محبت ہو جائے تو اس سے منسوب چیزیں بھی پیاری ہو جاتی ہیں۔

صدرالافاضل کا مفتی اعظم سے لگاؤ:

یہ محبت خلوص محض ایک طرفہ نہیں تھا بلکہ دونوں طرف الفت و وفا کی دل نواز خوشبو تھی۔ حضرت صدرالافاضل نے مفتی اعظم ہند کو اپنے ادارے جامعہ نعیمیہ کا سرپرست اعلیٰ بنایا تھا اور مفتی اعظم ہند تا حین حیات اس منصب پر فائز رہے اور بحسن وخوبی اس کی ذمہ داریوں کو انجام دیا۔ جامعہ نعیمیہ کے بزرگ اساتذۂ کرام حضرت مفتی محمد ایوب صاحب نعیمی شیخ الحدیث جامعہ اور حضرت علامہ پروفیسر محمد ہاشم صاحب نعیمی دام ظلہما بیان فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی اعظم ہند کا معمول تھا کہ آپ جب بھی جامعہ میں تشریف لاتے تھے کبھی بھی جامعہ کا نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ جب زیادہ اصرار کیا جاتا تو فرماتے کہ حضرت صدرالافاضل نے مجھے اس ادارے کا ذمہ دار بنایا ہے اور ذمہ دار خود خرچ کرتا ہے اپنے اوپر خرچ نہیں کراتا۔ یہ کہہ کر مفتی اعظم اپنی جیب سے کچھ پیسے نکال کر اس نذرانے میں ملا کر وہ سارے پیسے جامعہ کو واپس لوٹا دیتے۔

ایثار وخلوص کی ایسی روشن مثال کیا آسانی سے مل سکتی ہے؟ آج تو حالت یہ ہے کہ اگر ادارے کا سرپرست آرہا ہو تو اس کے استقبال کے لیے ادارے کو دل کھول کر پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے، اعلیٰ قسم کی گاڑی میں آمد ورفت کا انتظام کرانا پڑتا ہے، عمدہ اور پرتکلف دعوتیں اس پر مستزاد! تب کہیں جاکر سرپرست صاحب کو احساس ہوتا ہے کہ ہاں ہم اس ادارے کے سرپرست ہیں مگر مفتی اعظم اس قسم کے تکلفات سے کوسوں نہیں ہزاروں لاکھوں میل دور تھے۔

جامعہ سے محبت کا ایک ناقابل فراموش واقعہ:

ہمارے اساتذۂ کرام بیان فرماتے ہیں کہ جب سرکارِ مفتی اعظم ہند جامعہ نعیمیہ میں تشریف لاتے تو آپ جامعہ کا کھانا تناول نہیں فرماتے تھے اور یہ کہہ کر انکار کر دیا کرتے تھے کہ میرے کھانے سے بہتر ہے کہ وہ کھانا کسی طالب علم کو کھلا دیا جائے۔ میں یہاں کا خادم ہوں اگر نہیں کھاؤں گا تو حرج کی بات نہیں مگر یہ عزیز طلبہ جو اپنے اہل خانہ کو چھوڑ کر یہاں ہمارے مہمان بنے ہیں ان کا خیال رکھنا ہم پر لازم وضروری ہے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر استاذ الاساتذہ فقیہ النفس حضرت مفتی حبیب اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (سابق پرنسپل وشیخ الحدیث جامعہ) آپ کو اپنے گھر پر کھانے کی دعوت پیش کرتے جسے حضور مفتی اعظم ہند اس شرط پر قبول فرماتے کہ مفتی صاحب دعوت منظور مگر آپ کچھ تکلف نہیں فرمائیں گے جو کچھ گھر میں بنا ہوگا بس وہی پیش کریں گے۔ جب کھانے سے فارغ ہو کر چلتے تو مفتی صاحب کے بچوں کو عطیہ دیے بغیر کبھی واپس نہ ہوتے۔ استاذ محترم فقیہ العصر حضرت مفتی محمد ایوب صاحب قبلہ فرماتے ہیں کہ دستار بندی کے موقع پر کئی مرتبہ مفتی اعظم ہند نے میری دعوت قبول فرما کر اس فقیر پر بھی کرم فرمایا اور میرے گھر کو اپنے قدوم میمنت سے سرفراز فرمایا۔

فارغین جامعہ نعیمیہ کے لیے تحائف لانا:

سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ جب جامعہ نعیمیہ کے سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر مرادآباد تشریف لاتے تھے تو آپ کا معمول تھا کہ جتنے بھی فارغین طلبہ ہوتے تھے سب کے لیے آپ کچھ نہ کچھ تحائف ضرور لاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے سپاہی ہیں انہیں ملت کی حفاظت کرنا ہے جہاں بڑی مشکلات اٹھانا پڑیں گی اس لیے ان لوگوں کو تحائف دے کر ان کے دلوں کو شادوخرم رکھو تاکہ یہ خوش دلی سے فروغ دین کا کام انجام دے سکیں۔

پورے سال جامعہ نعیمیہ کے طلبہ اتنی شدت سے کسی چیز کا انتظار نہیں کرتے تھے جتنی شدت سے انہیں حضور مفتی اعظم سے ملنے والے تحفے کا انتظار رہتا تھا اور جو طالب علم بھی تحفہ حاصل کرتا تھا وہ پھولا نہیں سماتا تھا۔ آپ کی آمد پر پورا جامعہ گلزار ہو جاتا تھا۔ ایسا لگتا تھا مانو

ہزاروں گلاب مہک اٹھے ہوں۔ کیا علما کیا عوام کیا طلبہ سبھی مفتی اعظم سے نیازمندی کولیکر بڑے بےقرار رہتے تھے۔

دونوں بزرگوں کی خدمات کا اعتراف:

جماعت اہل سنت کے ارباب حل وعقد کی نگاہ میں ان دوعظیم شخصیتوں کی کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ جماعت رضائے مصطفیٰ کے ارکان کی جانب سے لکھے گئے اس مکتوب سے لگائیں جوانہوں نے شدھی تحریک میں امام الہند صدرالا فاضل اور حضرت مفتی اعظم ہند کی بے مثال کارگزاری و جاں فشانی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت اور ہدیہ تشکر پیش کیا:

"تبلیغی سرگرمیوں کی تفصیل اور مخلص کارکنوں کی شاقہ محنتوں کامکمل تذکرہ دفتروں میں بھی نہیں آسکتا ....صاحبزادہ عالیشان فاضل جلیل المکانۃ والمکان حضرت مولانا مولوی مفتی شاہ محمد مصطفیٰ رضاخاں صاحب دامت برکاتھم صدر شعبہ تبلیغ وحضرت فاضل اجل عالم بے بدل امام المناظرین استاد العلماء جناب مولانا مولوی حافظ حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتھم کی جاں فشانیاں اور محنتیں اوران حضرات کے فیوض و برکات اور سرگرم مساعی کا تذکرہ کے لیے جماعت کے پاس زبان نہیں ہے کہ ادا کرسکے۔ انہیں کی ہمت و برکت تھی کہ جماعت کو ہر معرکہ اور ہر موقع میں امید سے زیادہ کامیابیاں نصیب ہوئیں ہم نہ ان کے اس احسان کو فراموش کرسکتے ہیں اور نہ ان کے شکریہ سے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں۔ جو تکلیفیں انہوں نے اٹھائی ہیں اور جو محنتیں برداشت کی ہیں ان کے نقوش ہمارے سینوں سے کبھی محونہیں ہوسکتے ہیں۔"

(اخبار دبدبہ سکندری، مجریہ یکم مارچ ۱۹۲۶ء)

مرادآباد میں مفتی اعظم کا بے مثال استقبال:

حضرت صدرالا فاضل کی نگاہ میں مفتی اعظم ہند کی وقعت و رفعت کس قدر تھی یہ تو سرکارِ صدرالا فاضل ہی جانیں مگر زمانے کی نگاہوں نے جو دیکھا تو یہی پایا کہ مفتی اعظم ہند آپ کے نزدیک انتہائی محترم ومکرم تھے جس کا ایک نظارہ اس وقت بھی دیکھا گیا جب لاہور کے ایک مناظرہ سے لوٹتے ہوئے مفتی اعظم مرادآباد سے گزرے تو حضرت صدرالا فاضل نے انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا۔ خیر مقدم کا انداز کیا تھا اس کے بارے میں السوادالاعظم کی یہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

"سرکار مفتی اعظم ہند اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہما الرحمہ پنجاب کے مناظرے سے واپس لوٹ رہے تھے۔ پنجاب سے آنے والی فیروز پور ایکس پریس گاڑی مرادآباد ہوکر بریلی جاتی ہے۔ اس لیے صدرالا فاضل نے درخواست کی شہزادگان اعلیٰ حضرت مرادآباد میں ہوکر جائیں۔ صدرالا فاضل کی یہ دعوت قبول کی گئی، اب آگے کا حال خود رپورٹ کنندہ کی زبانی سنیے:

"۹ فروری کو شب کے دس بجے تار سے اطلاع دی گئی کہ حضرت ممدوح صبح سات بجے پنجاب میل سے رونق افروز ہوں گے۔ موسم سرما میں ۱۰ بجے شب لوگ سو جاتے ہیں۔ کسی کو اطلاع دینے اور خبر کرنے کا موقع بھی نہ تھا لیکن باوجود اس کے صبح کو میل کے پہنچنے کے وقت مسلمانوں کی کثیر تعداد جس میں عمائد وعلما اور ہر طبقہ کے مسلمان تھے، اسٹیشن پر موجود تھی۔ والنٹیر وں کی ایک جماعت جھنڈیاں لیے ہوئے منشی شوکت حسین صاحب کی سرکردگی میں صف بستہ تھی۔ مجمع دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑے اہتمام بلیغ سے حضرت کی تشریف آوری کا اعلان کیا گیا ہے۔ گاڑی آئی اور حضرت حجۃ الاسلام اور آپ کے برادر حقیقی مفتی ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب دام مجدہ اور جناب مولانا مولوی عبدالحق صاحب رئیسِ پیلی بھیت رونق افروز ہوئے۔ مرحبا کی صداؤں اور تکبیر کے نعروں سے فضا گونج اٹھی، پھول نثار کیے گیے اور موٹروں میں آپ کا جلوس اسٹیشن سے روانہ ہوکر بازار شاہی مسجد اور منڈی چوک سے گزرتا ہوا مدرسہ عالیہ اہل سنت و جماعت مرادآباد (جامعہ نعیمیہ) میں پہنچا۔ موٹر آراستہ کیے گئے تھے۔ راستے میں جابجا مدحیہ نظمیں خوش آوازی سے پڑھی جارہی تھیں، لوگ پھول برساتے تھے، عطر اور پان پیش کرتے تھے۔ ہجوم کثیر تھا۔ بڑے شان وشکوہ کے ساتھ حضرت کی سواری مدرسے میں پہنچی۔ تمام مجمع بیٹھ گیا اور حضرت صدرالا فاضل مولانا مولوی حافظ حکیم محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم نے مسلمانانِ مرادآباد کی جانب سے حضرت حجۃ الاسلام اور ان کے برادر حضرت مفتی ہند کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور آپ کی دینی خدمات اور حمایت ملت کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے طول حیات وکثرت فیوض وبرکات کی دعا کی"۔

(ماہنامہ السواد الاعظم مرادآباد، مجریہ ربیع الاول و جمادی الاول ۱۳۵۲ھ)

استقبال کے جشن کو اپنی چشم تصور میں لائیں اور پھر سوچیں کہ دو طرفہ دیوانوں کی قطاریں، پھولوں کی بارش، مدحیہ نظمیں، استقبالی جھنڈے، نعروں کی گونج، نذریں پیش کرنا اور شہر کے سب سے اہم علاقوں میں اس جلوس کو نکالنے جیسا بڑا اہتمام ہر کس و ناکس کے لیے نہیں کیا جاتا یقیناً حضرت مفتی اعظم ہند اور حجۃ الاسلام سے صدر الافاضل کو ایک خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا۔ اسی لیے آپ نے اس شان وشوکت کے ساتھ جلوس نکال کر اپنی بے پایاں محبتوں کا شاندار نمونہ پیش کیا۔ یہاں صدر الافاضل کے عقیدت مندوں کی دانش مندی کا بھی پتا چلتا ہے کہ فروری کی سردرات میں مفتی اعظم کی تشریف آوری کا پتا چلتا ہے اور صبح کو اسٹیشن پر ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہو جاتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ صدر الافاضل کو اعلان کا موقع نہیں ملا مگر! آپ کی بارگاہ کے حاضر باش یقیناً آپ کے مزاج شناس تھے اس لیے انہیں اعلان کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی اور انھوں نے اپنے آقائے نعمت صدر الافاضل کے مزاج کو پہچان کر از خود ہی لوگوں کو اطلاع کر دی اور نماز فجر پڑھتے ہی دیوانوں کا ہجوم مرادآباد کے اسٹیشن پر جمع ہو گیا۔ اور اہل مرادآباد کے اس مزاج کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے علما و مشائخ کی بارگاہوں میں شروع ہی سے مؤدب، نذریں پیش کرنے اور محبت کرنے والے واقع ہوئے ہیں۔ اسٹیشن سے جامعہ نعیمیہ کا فاصلہ قریب دو کلومیٹر ہے مگر یہ اہل مرادآباد کو مذہبی جوش ہی تھا کہ کڑاکے کی سردی میں اپنے معزز مہمانوں کو اہلاً وسہلاً مرحبا کی صداؤں میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ لاتے ہیں۔

حضور مفتی اعظم ہند اور امام الہند فخر الاماثل حضرت صدر الافاضل علیہما الرحمہ کی حیات مبارکہ کی یہ چند کڑیاں تھیں جو آپ کی نگاہوں سے گزریں۔ جن پر محبت وخلوص اور ایثار و وفا کا رنگِ حسین چڑھا ہے۔ وقت نے مہلت دی تو اس موضوع پر ان شاء اللہ مزید تاریخی شہادتیں پیش کروں گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اکابر کے ان معمولات کو دیکھ کر سبق حاصل کریں اور آپسی تعلقات کی نوعیت ایسے ہی رکھیں جیسے ہمارے بزرگوں کے مابین تھی۔ اگر ہم اس پر عمل کرنے میں کامیاب رہتے ہیں تو یقین جانیں ایک شاندار مستقبل ہمارا منتظر ہے۔

سرکار مفتی اعظم ہند کو امام الہند حضرت صدر الافاضل، آپ کے شہر مرادآباد اور آپ کے قائم کردہ ادارے جامعہ نعیمیہ سے جو والہانہ تعلق تھا، وہ ہماری تاریخ کا ایک روشن و تابناک پہلو ہے جس پر شاید اب تک نہیں لکھا گیا۔ یہ پہلو ہمارے اکابرین کی وسیع القلبی، کشادہ ظرفی، آپسی احترام و اکرام اور ایثار و خلوص کی ایک ایسی داستان پیش کرتا ہے جہاں قدم قدم پر بوئے وفا آتی ہے، الفت ومحبت کے پیمانے چھلکتے دکھائی پڑتے ہیں، رحماء بینھم کی جیتی جاگتی تصویریں نظر آتی ہیں، بلندی کردار کی نئی تاریخ رقم کی جاتی ہے۔ جن کا کردار وعمل آج بھی ہمارے لیے ایک روشن مینارہ ہے جس کی روشنی میں تقسیم در تقسیم کا شکار ہماری ملت کو سکون وچین مل سکتا ہے، علما و مشائخ کے درمیان خلیج کو پاٹا جا سکتا ہے اور ہم اپنے اختلافات کو بآسانی دور کر سکتے ہیں۔

●●

پہلی قسط

اولاد کے ساتھ حسن سلوک

(اسوۂ حسنہ کی روشنی میں)

از: مولانا محمد حبیب اللہ بیگ مصباحی ازہری

الحمدللہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین.

عزیزان گرامی! آج آپ کے سامنے یہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد کی کس طرح تربیت فرماتے تھے اوران کے ساتھ کس طرح زندگی گزارا کرتے تھے تاکہ ہم آپ کے اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرسکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں تھیں۔صاحب زادگان کے نام یہ ہیں:

حضرت قاسم ،حضرت عبداللہ،حضرت ابراہیم۔اور صاحب زادیوں کے نام یہ ہیں: حضرت زینب ،حضرت رُقیہ،حضرت ام کلثوم،حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم وعنہن اجمعین۔

آپ کے صاحب زادگان کی تعداداور ترتیبِ ولادت میں کافی اختلاف ہے۔امام قسطلانی مختلف اقوال ذکرکرنے کے بعدفرماتے ہیں:

والأصح أنهم ثلاثة ذكور، وأربع إناث متفق عليهن، وكلهم من خديجة بنت خويلد إلا إبراهيم یعنی اَصح یہ ہے کہ آپ کو تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں اورسوائے حضرت ابراہیم کے ساری اولادحضرت خدیجہ کے بطن سے تھیں۔(امام قسطلانی:المواہب اللدنیہ:المقصد الثانی،الفصل الثانی، ج۱،ص۳۹۱)

آپ کے سارے فرزند کمسنی ہی میں وصال کر گئے البتہ صاحب زادیوں نے لمبی عمریں پائیں۔سب کے سب رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئیں۔حضرت ام کلثوم کے علاوہ ساری بنات طیبات صاحب اولاد بھی ہوئیں۔

حضرت قاسم کے ساتھ حسن سلوک: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے صاحب زادے حضرت قاسم ہیں۔آپ زمانۂ بعثت یعنی اعلانِ نبوت سے کئی سال پہلے پیداہوئے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہی کے نام پرتھی۔آپ نے بہت معمولی سی عمر پائی۔ولادت کے سترہ ماہ بعد ہی انتقال فرمایا اوراولادرسول میں سب سے پہلے انھی کا انتقال ہوا۔

حضرت عبداللہ کے ساتھ حسن سلوک: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے فرزند حضرت عبداللہ ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدگرامی کے نام پران کا نام عبداللہ تجویز کیا گیا۔آپ زمانۂ اسلام میں پیدا ہوئے اسی لیے آپ کوطیب وطاہر کہا جاتا ہے،بچپن ہی میں آپ کاانتقال ہوگیا۔

آپ کے انتقال پرعمرو العاصی بن وائل السہمی نے کہا: **قَدِ انْقَطَعَ وَلَدُہٗ فَھُوَ أَبْتَرُ** یعنی محمدابن عبداللہ کی نسل منقطع ہوگئی لہٰذا وہ اَبتر یعنی منقطع النسل ہیں۔(امام سیوطی،الدرالمنثور فی التفسیر الماثور: تفسیر سورۂ کوثر،متعلقہ آیت)

ابوعمروکے اس نازیباحرکت پرقرآن کریم کی آیت مبارکہ نازل ہوئی: **اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ** اے محبوب! آپ محروم نہیں بلکہ آپ کے حاسدین وبدخواہ ہرخیر سے محروم ہیں۔

حضرت ابراہیم کے ساتھ حسن سلوک: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فرزند حضرت ابراہیم ہیں۔آپ حضرت ماریہ بنت شمعون قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔آپ ہجرت کے آٹھویں سال ماہ ذی الحجہ میں پیدا ہوئے۔حضرت ابورافع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم کی ولادت کی خوش خبری سنائی۔حضرت ابراہیم کی پیدائش سے آپ کواتنی خوشی ہوئی کہ آپ نے خوش خبری سنانے والے حضرت ابورافع کوایک غلام بطورتحفہ عنایت فرمایا۔ولادت کے ساتویں دن آپ کاعقیقہ کیا،دومینڈھے ذبح کیے،سرکے بال اتروائے، بالوں کے وزن کے برابر چاندی فقراومساکین میں تقسیم کروائی اورآپ کے بال زمین میں دفن کروادیے۔

حضرت ابراہیم بڑے خوب صورت اور پر گوشت تھے اوراپنے والدگرامی سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔کتب حدیث میں آپ کی ولادت اوررضاعت کاتفصیلی ذکر ہے چنانچہ مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **ولد لی اللیلة غلام فسمیته باسم أبی إبراهیم** یعنی آج رات میرے گھر بچہ پیدا ہوا، میں نے اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر اس نومولود فرزند کا نام ابراہیم رکھا۔

آپ نے اپنے نور نظر کو دودھ پلانے کے لیے ابوسیف لوہار کی زوجہ اُم سیف کا انتخاب کیا اور حضرت ابراہیم کو ان کے حوالے کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ اپنے لخت جگر حضرت ابراہیم کو دیکھنے کے لیے جایا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک دن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے، مجھے بھی ہم رکابی کا شرف بخشا۔ جب ابوسیف کے گھر پہنچے تو ابوسیف بھٹی پھونک رہے تھے اور پورا گھر دھواں دھواں تھا، میں تیزی سے آگے بڑھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گھر میں داخل ہو کر ابوسیف سے کہا: **یا أبا سیف أمسک جاء رسول الله**۔ ابوسیف تھوڑا ٹھہر جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ ابوسیف نے اپنا کام روک دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کو طلب فرمایا، سینے سے لگایا اور جو اللہ کی مرضی تھی، کہا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت ابراہیم جاں کنی کے عالم میں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں جان دے رہے ہیں۔ آپ کے چشم رحمت سے آنسو جاری ہیں اور آپ فرما رہے ہیں: **تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول إلا ما یرضی ربنا والله یا إبراهیم إنا بک لمحزونون** اے ابراہیم! تمہارے انتقال پر ہماری آنکھیں اشک بار ہیں، دل غم زدہ ہے، پھر بھی ہم وہی کہیں گے جس میں اللہ کی رضا ہے، اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی سے بہت زیادہ دکھی ہیں۔ (امام مسلم، صحیح مسلم: کتاب الفضائل، ج ۲، ص ۲۵۴)

اس حدیث شریف کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد سے بے حد محبت فرماتے تھے اور ان کی جدائی آپ کے قلب اطہر پہ حد درجہ شاق گزرتی تھی۔

اس حدیث پاک سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ

(۱) اپنی اولاد سے غیر معمولی محبت کرنا چاہیے۔

(۲) اگر اولاد دور ہو تو وقتاً فوقتاً ان سے ملاقات کے لیے جانا چاہیے۔

(۳) حسب موقع ان سے محبت کا اظہار بھی کرنا چاہیے۔

(۴) انسان کو ہر حال میں راضی بالقضا رہنا چاہیے۔

(۵) بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی کوئی ایسا جملہ کہنے سے گریز کرنا چاہیے جس میں اللہ و رسول کی ناراضی کا شائبہ ہو۔

سچی بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث پاک اولاد سے بے پناہ محبت اور رضا بالقدر کے حسین امتزاج کا ایک ایسا خوب صورت تصور پیش کرتی ہے جس کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے متعلق امام مسلم نے اسی باب میں ایک اور حدیث پاک نقل فرمائی ہے، وہ یہ ہے: **عن أنس بن مالک قال: ما رأیت أحدا کان أرحم بالعیال من رسول الله، قال: کان إبراهیم مسترضعا له فی عوالی المدینة فکان ینطلق ونحن معه فیدخل البیت، وإنه لیدخن، وکان ظئره قینا، فیأخذه، فیقبله، ثم یرجع**۔ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنی اولاد پہ شفقت کرتے نہیں دیکھا۔ حضرت ابراہیم مدینہ منورہ کے بالائی حصے میں ایام رضاعت سے گزر رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کو دیکھنے کے لیے وہاں جایا کرتے تھے، ہم بھی آپ کی معیت میں ہوتے تھے، اس گھر کا مالک لوہار تھا اس لیے پورا گھر دھواں سے گھرا ہوتا تھا، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف لے جاتے، حضرت ابراہیم کو گود میں لیتے، آپ کے بوسے لیتے، پھر واپس تشریف لے آتے۔ (مرجع سابق)

ہر انسان کو اپنے اہل و عیال سے بے پناہ محبت ہوتی ہے لیکن سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد سے اس قدر محبت تھی کہ حضرت انس فرماتے ہیں: **مَا رَأَیْتُ أَحَدًا کَانَ أَرْحَمُ بِالْعِیَالِ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ** یعنی آج تک ہم نے کسی کو اس طرح اپنی اولاد سے محبت کرتے نہیں دیکھا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اولاد سے محبت فرماتے ہیں۔

ظاہر سی بات ہے جو رسول ہر عامی کے لیے سراپا رحمت ہوں اور وہ اپنی اولاد پر کس قدر مہربان ہوں گے، بھلا ان کی محبت و شفقت اور رحم دلی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:**ففیہ بیان کریم خلقہ ورحمتہ للعیال والضعفاء وفیہ جواز الاسترضاع وفیہ فضیلۃ رحمۃ العیال والأطفال وتقبیلھم** ۔(امام نووی،شرح صحیح مسلم)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال اور ضعیف ونادار لوگوں کے حق میں بڑے خلیق اور بے حد مہربان تھے۔اس حدیث سے کئی مسائل معلوم ہوتے ہیں جن میں بعض یہ ہیں:

(۱)دودھ پلانے کے لیے بچوں کو دوسروں کے حوالے کرنا جائز ودرست ہے۔

(۲)اہل وعیال اور چھوٹے بچوں پہ رحم کرنا اور ان کا بوسہ لینا پسندیدہ عمل ہے۔

اول الذکر حدیث پاک میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم ایام شیر خوارگی ہی میں انتقال فرما گئے۔شرح مسلم،امتاع الاسماع اور مواہب لدنیہ میں ہے کہ سولہ سترہ ماہ کے بعد آپ کا وصال ہوگیا۔حضرت ابو بردہ اور فضیل بن عباس نے غسل دیا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی،حضرت عثمان بن مظعون کے پہلو میں آپ کو دفن کیا گیا،حضرت فضیل بن عباس اور اسامہ بن زید نے آپ کو قبر میں اتارا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے تشریف فرما تھے اور اشک بار آنکھوں سے سارا منظر ملاحظہ فرمارہے تھے،تدفین کے بعد قبر پہ پانی چھڑکا اور قبر پر ایک علامت نصب فرمادی۔(امام قسطلانی،المواہب اللدنیہ:المقصد الثانی،الفصل الثانی،ج۱،ص۳۹۸)

آخر الذکر حدیث پاک میں ہے کہ حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:**وإنہ مات فی الثدی، وإن ظئرین تکملان رضاعہ فی الجنۃ** یعنی میرے نور نظر ابراہیم کا ایام شیر خوارگی ہی میں انتقال ہوگیا اللہ رب العزت میرے بیٹے کے لیے دو جنتی دایہ کا انتظام فرمائے گا جو جنت میں ابراہیم کی رضاعت مکمل کریں گی۔(امام مسلم،صحیح مسلم:کتاب الفضائل،ج۲،ص۲۵۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد کی دل نشین تاریخ اور ان کے فضائل سے متعلق احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اولاد سے محبت کرنا،ان کی خیر خواہی کرنا،ان سے محبت کا اظہار کرنا اور ان کی جسمانی اور روحانی نشوونما کے لیے مناسب انتظامات کرنا نہ صرف جائز بلکہ سنت ہے اور باعث اجر وثواب ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے:**إن لی عشرۃ من الولد ما قبلت واحدا منھم، فقال رسول اللہ إنہ من لا یرحم لا یرحم** ۔(مرجع سابق)

یارسول اللہ!میرے دس بیٹے ہیں،آج تک میں نے کسی کا بوسہ نہیں لیا ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:جولوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر کوئی رحم نہیں کرتا۔

یعنی ایسے بے رحم لوگوں پر نہ انسان رحم کرتے ہیں نہ خالق انسان رحم کرتا ہے لہٰذا اگر کوئی رحم وکرم اور عفو وگزر کا طالب ہے تو اسے چاہیے کہ بندگان خدا پر رحم کرے،بطور خاص اپنی اولاد اور قرابت داروں پہ رحم کرے اور اپنے حسن سلوک سے انہیں خوش کرے،خالق ومخلوق کی رحمتوں کے حق دار بننے کا یہ ایک اہم ذریعہ ہے۔

بقیہ اگلے شمارے میں

●●

عرس حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ

۲۶ فروری ۲۰۱۵ بروز جمعرات مدرسہ اہل سنت غوثیہ حبیبیہ میں حضور مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن قادری عباسی ہاشمی علیہ الرحمہ کا ۳۵ واں عرس منایا گیا جس کی صدارت حضور محبوب العلماء مفتی محبوب عالم نعیمی اشرفی نے فرمائی۔بعد نماز ظہر قرآن خوانی ہوئی،۳:۳۰ بجے ختم غوثیہ پڑھا گیا اور ۴ بجے محفل نعت ومنقبت منعقد کی گئی جس میں قاری محمد عاقل حبیبی،شاعر اسلام ہارون ایاز حبیبی،محمد عادل حبیبی،محمد ریاض حبیبی اور راقم الحروف محمد تنویر رضا برکاتی نے نعت ومنقبت کا نذرانہ پیش کیا۔بعد نماز عصر حضرت مولانا محمد عارف حبیبی قادری (خلیفہ حضور حبیب ملت)نے سرکار مجاہد ملت کی حیات وخدمات پر مختصر مگر مدلل روشنی ڈالی۔۵:۴۵ منٹ پر قل شریف ہوا اور صلوٰۃ وسلام کے بعد لنگر عام تقسیم کیا گیا۔اس موقع پر کئی سماجی،سیاسی،ادبی شخصیات اور سیکڑوں عوام نے شرکت کی۔

(رپورٹ:محمد تنویر رضا برکاتی،برکاتی مشن،برہانپور شریف

تحفہ! ایک انمول جذبہ

از: عبید انصاری ذیشان

انسانی زندگی میں تحائف کے لین دین یا تبادلے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔آج کے تیز رفتار دور میں جہاں انسانی جذبات کو مادیت پر فوقیت دی جاتی ہے،تحفہ واحد ایسی چیز ہے جو نہ صرف آپ کے جذبات کی بھر پور عکاسی کرسکتا ہے۔تحفہ وصول کرنے والے کوبھی آپ کے احساسات کی قدر ہوتی ہے۔تحفہ خوشی کا احساس دلاتا ہے۔ لینے والے اور دینے والے دونوں کے مابین محبت بڑھاتا ہے۔ تحائف کا تبادلہ دوستی،تعلق اور رشتے کو مضبوط و مستحکم رکھتا ہے۔

تحفہ کیا ہے؟ تحفہ سے مراد کوئی بہت عمدہ اور اعلیٰ چیز ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز تحفہ ہے جو خلوص ومحبت کے ساتھ کسی کو پیش کی جائے چاہے وہ کوئی معمولی چیز ہی کیوں نہ ہو۔دیکھنے میں شاید وہ چیز چھوٹی،حقیر اور معمولی محسوس ہوا گر وہ تحفہ میں دی گئی تو وہ ہرگز حقیر نہیں ہوسکتی۔تحفہ ہرگز حقیر نہیں ہوسکتا اس لیے کہ جس آدمی نے آپ کو تحفہ دیا ہے یہ آپ کے تئیں اس کے خیال اور تعلق کی علامت ہے،آپ کے تئیں اس کے جذبات کا اظہار ہے۔یہ تحفہ دینے والے اور لینے والے کے آپسی یگانگی اور لگاؤ کی یادگار ہے۔تحفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو یاد رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو خوش رکھنا چاہتے ہیں۔تحفہ خود تحفہ دینے والے کی محبت کو اور تحفہ قبول کرنا قبول کرنے والے کی خوشی کو ظاہر کرتا ہے۔آیئے دیکھیں کہ اسلام میں تحفے کی حیثیت کیا ہے۔؟

امام بیہقی کی سنن الکبریٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **تھادوا تحابوا** آپس میں تحفہ دو اور محبت عام کرو۔

(سنن کبریٰ ومسند ابی یعلیٰ وشعب الایمان)

ایک دفعہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی کنیز نے ایک پھول پیش کیا آپ نے اسے سونگھا اور پھر کہا ''اے کنیز! آج میں نے تجھے آزاد کردیا۔''اس وقت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے عرض کیا: آپ نے اس کنیز کو خریدتے وقت کافی رقم خرچ کی ہوگی اور صرف ایک پھول کے بدلے میں اسے آزاد کردیا؟ آپ نے فرمایا: میرے نانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جو شخص تمہیں تحفہ دے اسے اس سے بہتر تحفہ دو ورنہ اس کا تحفہ واپس لوٹادو۔'' چنانچہ میں نے اس کنیز کو اس تحفہ سے بڑھ کر تحفہ دیا اور ایک کنیز کے لیے ''آزادی'' سے بڑھ کر بڑا تحفہ کچھ نہیں ہوسکتا۔

تحفہ تعلق ومحبت،عقیدت واحترام اور اعزاز واکرام کے اظہار کا انتہائی لطیف وحسین ذریعہ ہے۔تعلقات کے استحکام اور رشتوں، ناتوں کو تقویت دینے میں اس کا کوئی جواب نہیں۔یہ دلوں میں پیار و الفت کو پیدا کرتا اور رنجش وغلط فہمی کے دبیز چادر کو بآسانی چاک کردیتا ہے۔اس کے علاوہ حوصلہ وعزائم میں نئی روح پھونک کر اسے شکست و ریخت سے بچاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحفہ کی اپنے قول وفعل سے حوصلہ افزائی کی ہے، چنانچہ فرمایا: **تصافحوا یذھب الغل وتھادوا تحابوا تذھب الشحناء** ترجمہ: مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ دور ہوگا ،ہدیہ کا تبادلہ کرو اس سے آپس میں محبت بڑھے گی اور بغض کا خاتمہ ہوگا۔(موطأ امام مالک) اور دوسری جگہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:''**تھادوا فانہ تذھب وغر الصدر** ''ترجمہ: آپس میں ہدیہ کا لین دین کرو کیوں کہ اس سے دل کا بغض وکینہ دور ہوتا ہے۔(مسند احمد بن حنبل) اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: **تھادوا فانہ تذھب وحر الصدر ولا تحقرن جارۃ لجارتھا ولو فرسن شاۃ** ترجمہ: ہدیہ کے لین دین سے عداوت دور ہوتی ہے اور اپنے پڑوسی کو کوئی چھوٹی چیز دینے کو بھی حقیر نہ سمجھے۔(صحیح البخاری، جامع ترمذی)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: **کان رسول اللہ ﷺ یقبل الھدیۃ ویثیب علیھا** ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول کرتے تھے اور اس پر بہتر جائزہ (انعام) بھی دیتے تھے (صحیح البخاری)۔حضرت ابو ہریرہ رضی

اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لو دعیت الی کراع او ذراع لاجبت ولو اھدی الی ذراع او کراع لقبلت** ترجمہ: اگر مجھے مرغی یا بکری کے بازو کی طرف یا پائے کی طرف دعوت دی جاتی تو میں اسے قبول کرتا اور اگر ہدیہ کی جاتیں تو میں اسے قبول کرتا۔اس سے معلوم ہوا کہ تحفہ قبول کرنا یا کسی کی دعوت کو منظور کرنا دونوں سنت نبویہ مطہرہ سے ہے اور اسی طرح تحفہ دینا یا دعوت دینا بھی سنت ہے۔تو پھر کیوں نہ ہم اس پیاری سنت پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''جو کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرتا ہے تو تم بھی اسے بھلائی سے جواب دو اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کے لیے دعا کرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں لگے کہ تم نے صحیح طور پر اس کا جواب دیا ہے۔'' (ابوداؤد، سنن نسائی)۔

یہاں پر بھلائی کرنے سے مراد قول و فعل یا کوئی تمہیں تحفہ دے تو تم بھی اسے اس سے اچھا تحفہ دو جیسا کہ اس نے تمہیں دیا تھا اور اگر تمہارے پاس اتنی استطاعت نہ ہو تو اس کے لیے دعا کرتے رہو یہاں تک کہ تمہیں لگے کہ تم نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ جب کوئی تمہیں کچھ دے یا تمہارا کوئی کام کر دے تو تم اسے **جزاک اللہ خیراً** کہہ کر دعا دو، جیسا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کے ساتھ اچھا معاملہ کیا گیا ہو اور وہ اس کے بدلے میں **جزاک اللہ خیراً** بولے تو اس نے اس کا شکریہ ادا کرنے کی کافی کوشش کی ہے'' (جامع ترمذی)۔

دراصل تحفہ کسی چیز کا نام نہیں بلکہ تحفہ ایک انسانی عمل ہے۔تحفہ اس جذبہ کا نام ہے جو ہم ایک دوسرے کے لیے رکھتے ہیں۔ جب ہم کسی کو تحفہ پیش کرتے ہیں تو اصل میں ہم اس سے اپنے خلوص کے جذبے کا اظہار کرتے ہیں۔تحفہ ایک ایسے پودے کا پھول ہے جو محبت کی زمین میں اُگتا ہے اور خلوص کی فضا میں پھلتا پھولتا ہے۔خوشی بانٹنے سے اس طرح بڑھتی ہے جس طرح زمین میں بویا ہوا بیج فصل بنتا ہے اور یہی خوشی بڑھانے کا ایک ذریعہ ہے ''تحفہ''۔

تحفہ کے سلسلے میں اصل یہ ہے کہ اسے قبول کیا جانا چاہیے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعوت قبول کرو اور تحفہ مت لوٹاؤ۔(الادب المفرد للامام البخاری) اسی طرح کسی کو تحفہ دینے کے بعد اسے واپس طلب کرنا برا فعل ہے۔تحفہ واپس لینے کی بہت سی وعیدیں آئی ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات نقل کرتے ہیں کہ: **العائد فی ھبتہ کالعائد فی قیئہ** ترجمہ: اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا اپنی قئ کو چاٹنے والے کی طرح ہے۔(صحیح البخاری)۔اسی طرح دوسری جگہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **العائد فی ھبتہ کالکلب یقیٔ ثم یعود فی قیئہ** ترجمہ: اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا اس کتے کی مانند ہے جو ایک بار قئ کرے پھر اسی کو دوبارہ چاٹ لے۔(صحیح مسلم)

تحفے میں کیا دے؟ تحفہ محبت کے اظہار کا ایک خوبصورت اور بہترین ذریعہ ہے اس لیے تحفہ لینا اور دینا ہماری زندگی کا لازمی جز ہونا چاہیے۔تحفہ پسند کرنا یا دینا ایک فن ہے کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہوتا کہ کون سی شئ بطور تحفہ منتخب کی جائے جو دوسروں کی تحائف کی موجودگی میں بالکل الگ نظر آئے۔اسی طرح خوشی کا موقع فراہم ہوتے ہی ہم اپنے پیاروں سے یہ توقع کر رہے ہوتے ہیں کہ اس باران کی جانب سے ہمیں کیا تحفہ ملنے والا ہے۔جیسے بچوں کا والدین سے ضد کر کے چھوٹی چھوٹی خوشیوں پر تحفہ مانگنا اور اسی طرح والدین کا تحفہ دیتے وقت بچوں کی پسند کو مدنظر رکھنا، ان کی معصوم خواہشات کو پورا کرنا اور بچوں کی کامیابی پر ان کی پسند کے مطابق انعام یا تحفے سے نوازنا اولاد و والدین کے رشتے کو مضبوط سے مضبوط تر بناتا ہے۔

تحفے کا انتخاب کرتے وقت لوگوں کی دلچسپیوں کا ضرور خیال رکھیں، تحفہ عمر کے مطابق دیں تا کہ تحفہ سے استفادہ کیا جا سکے۔تحفہ مسکراہٹ اور خوشی کے ساتھ وصول کریں اور شکریہ یا **جزاک اللہ خیراً** کہنا ہرگز نہ بھولیں۔تحفہ اگر دینے والے کے سامنے کھولا جا رہا ہے تو بھر پور انداز میں اس کی تعریف کرے۔اگر چہ سب کی موجودگی میں تحفوں کو کھولنا تہذیب کے خلاف ہے کیوں کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق تحفوں کا انتخاب کرتا ہے۔ہوسکتا ہے کسی نے بہت زیادہ مہنگی شئ نہ دی ہو مگر پورے خلوص سے دی ہو، ایسی صورت میں دوسروں کی نظر میں اسے شرمندہ ہونے سے بچانا آپ کا کام ہے۔اگر آپ صاحب حیثیت ہیں اور آپ کے کسی قریبی عزیز یا دوست کے گھر خوشی کا موقع ہے تو اس موقع کی مناسبت سے سب سے پہلے ایک نگاہ ان اشیا پر ڈال لیں جس کو خریدنے کی وہ قوت نہیں رکھتے۔اس طرح

اگر وہ شئ اس کو تحفے کی صورت میں مل جائے گی تو نہ صرف اس کی ضرورت پوری ہوگی بلکہ خوشی بھی ہوگی۔ ہدیہ کے طور پر کسی کو کوئی بھی چیز دی جاسکتی ہے، البتہ ہدیہ کے انتخاب میں موقع ومحل اور اس شخص کو ملحوظ رکھا جائے جسے ہدیہ دیا جارہا ہے تو اس سے اس کی معنویت مزید بڑھ جاتی ہے۔ ہدیہ کی سلسلے میں اس کی مادی قدرت و قیمت یا کمیت و کیفیت کا اعتبار نہیں بلکہ اہمیت اس جذبہ وخلوص کی ہے جو اس کے پس پردہ کارفرما ہوتا ہے۔

کتابیں بہترین تحفہ ہیں: آج کل ایک رواج عام ہے کہ کسی کو تحفہ دیتے وقت اس کی شخصیت کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور اپنی حیثیت کو نہیں دیکھا جاتا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ حقیقت میں قیمتی نہیں بلکہ خوبصورت تحائف یادگار ہوتے ہیں۔ اگر آپ کا خریدا ہوا تحفہ دیکھنے میں نفیس اور خوبصورت نہ ہو تو وہ بے کار ہے پھر چاہے وہ کتنا بھی مہنگا کیوں نہ ہو۔ ایک آدمی اپنے کسی دوست کو اس کے حیثیت کے لائق چیز نہیں دے سکتا تو کیا ہوا جو اپنے حیثیت کے مطابق ہے وہ دے دے۔ وصول کرنے والے کو چاہیے کہ وہ تحفہ کو نہ دیکھے بلکہ تحفہ دینے والے کی محبت کو سمجھے اور خوشی کا اظہار کرے جس طرح وہ قیمتی سے قیمتی ملنے پر کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قلیل و معمولی ہدیہ کو بھی قبول کرتے تھے، اور ہدیہ کو معمولی اور حقیر سمجھنے سے منع فرماتے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''معمولی سے معمولی چیز کے لیے بھی اگر مجھے دعوت دی جاتی یا بطور ہدیہ دی جاتی تو میں اسے قبول کرتا۔'' (صحیح البخاری)۔ آپ کا منشأ یہ ہے کہ کسی بھی معمولی چیز کو تحفہ کے قابل نہ سمجھ کر رک نہیں جانا چاہیے کیونکہ معمولی چیز بھی اگر تحفہ کی صورت میں عطا کی جائے تو اس کی اہمیت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

البتہ ہدیہ کے طور پر اگر کوئی ایسی چیز دی جائے جو حرام ہو یا ہدیہ کا مقصد کوئی ناجائز کام لینا ہو یا موقع کی نزاکت کی وجہ سے وہ رشوت کے ضمن میں آتا ہو تو ایسی صورتوں میں اسے رد کیا جانا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے شراب کا مٹکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پیش کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا تم تک یہ بات نہیں پہنچی کہ شراب حرام ہوچکی ہے۔ (صحیح مسلم) حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک جنگلی زیبرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور ہدیہ دیا۔ آپ نے اسے اس وضاحت کے ساتھ واپس کردیا کہ آپ حالت احرام میں ہیں۔ (صحیح البخاری)۔

تحفہ کے طور پر دیے جانے کے لیے بہترین چیزوں میں سے عمدہ عطر اور کتابیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر عطر ہدیہ کیا جاتا تو آپ اسے رد نہیں فرماتے تھے بلکہ جلد قبول کرکے اپنے استعمال میں لاتے تھے۔ آپ کو طیب (عطر) بہت پسند تھی اسی لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہے: **ان رسول اللہ ﷺ کان لا یرد الطیب** (صحیح البخاری)۔ تحفہ خود ایک پھول ہے جس سے دوستی اور ملاپ کی خوشبو پھیلتی ہے۔ آج کے دور میں کتابیں زیادہ اہمیت کی حامل ہیں کہ اس نے انسان اور دنیا کو پرپیچ و پرخوار راہوں سے نجات دلا کر سہل اور آسان راہ پر گامزن کردیا۔ پھر کیوں نہ کتابیں تحفہ میں دی جائیں۔ یونانی فلسفی اور افلاطون کا استاد سقراط کہتا ہے کہ: ''جس گھر میں کتابیں نہ ہو وہ گھر حقیقتاً گھر کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ وہ تو زندہ مردوں کا قبرستان ہے''۔

تحفہ کسے دیا جائے؟ تحفہ اپنے ماں، باپ، بیوی، بھائی، بہن، بچے سے لے کر رشتے دار خویش و اقارب دوست و احباب سب کو دے سکتے ہیں۔ جیسے والدین اپنے بچے کو دیتے ہیں، بچہ اپنے والدین کو دیتا ہے، ایک بھائی اپنے بہن یا بھائی کو دیتا ہے اور ایک بہن اپنے بھائی یا بہن کو دیتی ہیں، ویسے ہی ایک انسان اپنے رشتہ دار و دوست و احباب کو دیتا ہے، اور ایک شاگرد اپنے استاذ کو دیتا ہے، ایک نوکر اپنے مالک کو دیتا ہے، ایک شوہر اپنی بیوی کو دیتا ہے اور بیوی اپنے شوہر کو دیتی ہے۔ لیکن اگر تحفہ دینا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اپنے سے قریب جو ہے اسے دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! **ان لی جارین فالی ایھما اھدی؟ قال: الی اقربھما منک بابا** ترجمہ: میرے پاس دو باندیاں ہیں میں ان دونوں میں کس کو ہدیہ دوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تمہارے دروازے کے سب سے قریب ہے اسے دو۔ (صحیح البخاری) اسی طرح اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہوتے اور کوئی شخص آپ کی بارگاہ میں کھجور یا شربت لاتا آپ اسے قبول کرتے اور آپ کے قریب جو اصحاب بیٹھے ہوتے انہیں عنایت فرماتے۔ اسی طرح پڑوسیوں کو بھی ہدیہ دینا سنت ہے۔

تحفہ کس موقع پر دیا جائے؟ تحفہ دینے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ کوئی خاص موقع کا انتظار کیا جائے بلکہ ایک دوسرے کو وقتاً فوقتاً

تحائف دیتے رہنا چاہئے تا کہ محبت اور جذبات کا اظہار کھل کر اور ابھر کر سامنے آئے جو اس بات کی علامت ہو کہ آپ کے درمیان صرف رسمی تعلق ہی قائم نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں میں ایک دوسرے کے لیے بھرپور محبت اور خلوص بھی موجود ہے۔ جس کا گزرتے وقت کے ساتھ احساس دلانا انتہائی ضروری ہے۔ ویسے تو تحفہ دینے کے کئی مواقع ہوتے ہیں، جیسے والدین کے جنم دن یا تو شادی کی سالگرہ کے موقع پر، بھائی بہن یا دوست کے جنم دن کے موقع پر، استاذوں کے ٹیچرس ڈے (Teacher's day) پر، بچوں کے چلڈرنس ڈے (Children's day) پر یا کسی کے پڑھائی میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرنے پر تحفے دیے جاتے ہیں۔

اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ہم کسی بھی دن کسی بھی جگہ تحفہ دے سکتے ہیں کیوں کہ تعلق، رشتہ محبت کو قائم ودائم رکھنے کے لیے، دوستی و بھائی بندی کو برقرار رکھنے کے لیے اسلامی کیلنڈر میں کوئی دن خاص نہیں بلکہ آپ چاہے تو ہر دن کو خوشنما و پر بہار دن بنا سکتے ہے۔

تحفہ دینے کا بہترین وقت رمضان بھی ہے جس میں ایک نیکی کا ثواب ۷۰ گنا زیادہ نیکی کرنے کے ثواب کے برابر ہوتا ہے۔ گویا کہ اس مبارک ماہ میں تم کسی کو کوئی تحفہ دے رہے ہو جو کہ ۷۰ روپیہ کا ہو تو اس مہینے کی برکت سے تم اسے ۴۹۰۰ روپے کا تحفہ دے رہے ہو تو پھر کیوں نہ اس ماہ مبارک میں زیادہ سے زیادہ تحفہ دیا جائے اور زیادہ سے زیادہ نیکیوں کو سمیٹا جائے۔ تحفہ سے مراد صرف کوئی چیز بطور تحفہ دینا نہیں بلکہ دعوت دینا بھی ایک قسم کا تحفہ ہے، پھر چاہے وہ دعوت اسحار ہو، دعوت افطار ہو یا دعوت طعام۔

تحفہ کیسے دیں؟ تحفہ دیتے وقت رشتے کی نوعیت کا خاص خیال رکھیں۔ آپ جس کو تحفہ دے رہے ہیں اس کے ساتھ تعلقات عارضی نوعیت کے ہیں یا مستقل۔ آپ ان تعلقات میں مزید اضافے کے خواہشمند ہیں یا صرف رسمی طور پر رشتہ نبھا رہے ہیں۔ ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں کہ آیا آپ کا انھیں تحفہ دینے کا حق بنتا بھی ہے یا نہیں۔ تحفہ کا انتخاب کرتے وقت ہر رشتے کی اہمیت کو مدنظر رکھیں۔ تحفہ خریدتے وقت اپنی حیثیت اور دوسروں کی پسند کا خیال رکھیں۔

تحفہ ہمیشہ خود اپنے ہاتھ سے پیش کریں، کسی دوسرے کو یہ موقع فراہم نہ کریں کیوں کہ اس سے تحفے کی اہمیت کم ہو جاتی ہیں۔ موقع کی مناسبت سے تحفہ دینے میں اتنی دیر مت لگائیں کہ خوشی کا موقع ہاتھ سے نکل جائے، بعد میں دیے جانے والے تحائف اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔ تحفہ اس وقت دیں جب خوشی کا سماں ہو اور خوشی اپنے عروج پر ہو۔ تحفہ اور خوشی لازم وملزوم ہیں۔ تحفہ تقاریب کے نوعیت کے مطابق دیں۔ سالگرہ، شادی بیاہ، امتحان میں کامیابی وغیرہ کے مواقع پر تحائف ان کی مناسبت سے ہی دیں۔

تحفہ خریدنا ہی اہم کام نہیں بلکہ اس کی اپنے طور سے سجاوٹ بھی ایک فن ہے۔ تحفہ خوبصورتی سے سجانا اور پیش کرنا ایک آرٹ ہے۔ بازار میں رنگ برنگے، چمکیلے، شفاف اور مواقع کی مناسبت سے خوبصورت گفٹ ریپرز Gift Wrapers دستیاب ہیں۔ تحفہ کے لیے ضروری نہیں کہ خوشی کے موقع ہو تو ہی دیا جائے۔ آپ کبھی بھی کسی کو سرپرائز گفٹ بھی دے سکتے ہیں جس کی خوشی کچھ اور ہی ہوتی ہے۔

مشرکین کا ہدیہ! مشرکین کا ہدیہ جہاں قبول کیا جاسکتا ہے، وہیں انہیں بطور ہدیہ کچھ دیا بھی جاسکتا ہے۔ روایت میں ہے: **اھدی رسول اللہ ﷺ الی ابی سفیان عجوۃ واستھداہ او فاھداہ ابو سفیان وھو علی شرکہ** ترجمہ: رسول اللہ نے ابو سفیان کو مدینہ منورہ کی بہترین کھجور عجوۃ ہدیہ میں بھیجی اور اس سے مصالحہ یعنی نان خوراک ہدیہ طلب فرمایا۔ ابوسفیان نے مصالحہ بھیجا حالاں کہ وہ اس وقت تک مشرک تھے۔ (روض الانف)۔ اور اسی طرح مقوقس شاہ اسکندریہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بجواب فرمان نبوی ایک خط بھیجا تھا اور ساتھ میں کچھ کپڑا، ایک سفید بغلہ جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سوار ہوا اور دو جاریہ تحفہ بھیجا تھا۔ جسے آپ نے قبول فرمایا، بغلہ سفید دیار عرب میں نایاب تھا اس کا نام آپ نے دلدل رکھا۔ جاریہ میں سے ایک کا نام ماریہ تھا جن کے بطن سے سیدنا ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور دوسری کا نام شیرین تھا۔ (روض الانف) اسی طرح بادشاہ روم ہرقل نے بھی آپ کے فرمان کے جواب کے ساتھ کچھ تحفہ بھیجا تھا جسے آپ نے قبول فرمایا۔ ان تمام باتوں سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکین کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کا تعلق ذبیحہ سے نہ ہو ویسے ہی مشرکین کو بطور ہدیہ کچھ دینا بھی جائز ہے۔ البتہ یہ ہدیہ ایسا نہیں ہونا چاہیے جس سے ان کے کفر وشرک میں معاونت ہو یا ان کے مذہبی شعائر کا احترام جھلکتا ہو۔

●●

اشاعت دین میں خواتین کا کردار

از: مشکوٰۃ جمال

قرآن کریم میں سورۃ النمل اور سورۃ القصص دو مفصل سورتیں ہیں، ایک میں ملکہ بلقیس کی حقیقت پسندی اور ایمان کا ذکر فرمایا ہے اس کے بعد متصل سورت میں فرعون کا قصہ ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ بعض عورتیں مردوں سے زیادہ حقیقت پسند اور زیادہ دین کا کام کرنے والی ہوتی ہیں۔ بلقیس کا قصہ مشہور ہے کہ: جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہدہد کے ذریعے پتا چلا کہ وہاں ایک عورت ہے جو **تملکھم** (ان کی بادشاہ ہے)۔ قابل تعجب بات یہ ہے کہ: عورت ہے اور ملکہ ہے۔'' دوسری تعجب کی بات یہ ہے کہ أُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ کہ اس کے پاس ہر قسم کا ساز وسامان ہے۔ تیسری تعجب کی بات یہ ہے کہ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ کہ عظیم الشان تخت کی مالکہ ہے، اور چوتھی تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کو اور اس کی قوم کو میں نے دیکھا کہ وہ سورج کی عبادت کرتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کو خط لکھا۔ ملکہ بلقیس نے اپنے وزیروں اور مشیروں سے اس خط کے تناظر میں مشورہ کیا اور بادشاہی روایات کے مطابق حضرت سلیمان کو ہدیہ بھیجا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدیہ واپس فرمایا اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور تبلیغ کی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ بلقیس کا نکاح حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہوا ہے۔ نکاح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اتنی بات تو ضرور ہے کہ قرآنِ کریم میں أُدْخُلِي الصَّرْحَ تو ہے، اور جس محل میں وہ داخل ہوئی ہے اس سے نکلنا ثابت نہیں۔ بہر حال وہ اتنی حقیقت پسند تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک بار دعوتِ اسلام سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور کوئی رد وقدح نہیں کی۔ اس کے بالمقابل فرعون کا قصہ ہے۔ فرعون باوجود مرد ہونے، ہوشیار ہونے اور باوجود تمام اسبابِ ہدایت موجود ہونے کے، اس کی ضد، عناد، جو داور تکبر و اِستکبار کی وجہ سے اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: عورتیں **نَاقِصَاتُ العقل و ناقصاتُ الدین** ہیں، **ناقصاتُ الدین** کا مطلب یہ ہے کہ بعض ایام ایسے آتے ہیں کہ جس میں وہ دین پر عمل نہیں کر سکتیں یعنی اس نقص کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں ان کے اختیار کو کوئی دخل ہے بلکہ یہ ایسے ہے جیسے ہم کہیں کہ فلاں کا قد چھوٹا ہے اور شاخ تک اس کا ہاتھ نہیں پہنچتا حالانکہ وہ اپنی جگہ کامل مرد ہے۔ اسی طرح عورتوں کو **ناقصاتُ العقل** کہا گیا ہے۔

عقل کی دو قسمیں ہیں: عقل شرعی، عقل عرفی۔ عورتوں میں عقلِ عرفی بہت اعلیٰ درجے کی ہے۔ شریعت نے عورتوں کو کس طرح **ناقصاتُ العقل** کہا ہے؟ تو اس کا آسان جواب آپ کو بتاتا ہوں کہ **ناقصات العقل** سے مراد عقل شرعی ہے، عقل عرفی عورتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے، خود حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ یہ عورتیں **أذهب للب الرجل الحازم من احداکن** ہوشیار مرد کو بھی بوتل میں اتارنے والیاں ہیں، گھر میں بھی اس کی حکومت چلتی ہے اور باہر بھی اس کی حکومت چلتی ہے۔ ہاں عقل شرعی کی کمی ہوتی ہے اور عقل شرعی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نتائج کو نہ سوچے، جب آدمی نتیجے پر غور نہیں کرتا تو اسے نقصان ہوتا ہے جیسے عورت یہ کہتی ہے کہ فلاں موقع آرہا ہے اور اس پر ہمیں اتنا خرچ کرنا ہے، ختنے میں اتنا خرچ کرنا ہے، شادی میں اتنا خرچ کرنا اور منگنی میں اتنا خرچ کرنا ہے اور فلاں رسم اس طرح ہونا چاہیے تو شوہر اور باپ کے مال کو انہی چیزوں میں اڑاتی ہیں۔ اس معنی میں ان کو **ناقصات العقل** کہا گیا ہے کہ نتائج کو وہ نہیں سوچتیں۔

بہر حال بلقیس بھی عورت تھی اور اسی طرح حضرت آسیہ بنت محازب فرعون کے گھر میں تھیں اور فرعون کے گھر میں پلی بڑھیں، فرعون کی بیوی تھیں، اس کے باوجود اللہ نے ان کو اعلیٰ درجے کی ہدایت کی توفیق نصیب فرمائی تھی، فرعون کا مقابلہ کیا اور سخت مشقتوں کو برداشت کیا۔ اسی طرح دین کی محبت میں آپ مشقتوں کو برداشت کریں اور اس محنت اور مشقت کے نتیجے میں اللہ آپ کو مالا مال

فرمائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جن باکمال عورتوں کا تذکرہ ملتا ہے ان میں حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن بہت نمایاں ہیں، ان میں سے ہر خاتون کی دینی، علمی، عملی ہر اعتبار سے ہر ایک کی الگ خصوصیت تھی، گویا ہمیں یہ حکم ہو رہا ہے کہ ہماری عورتوں کو ان خصوصیات کے اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر ان خصوصیات میں سے کوئی خصوصیت آپ میں نہیں تو آپ کامل نہیں بلکہ ناقص ہوں گی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ دین کے لیے قربانی دیتی تھیں۔ دین کے لیے جتنی قربانی انہوں نے دی، اتنی قربانی دوسری عورتوں نے بہت کم دی ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور ان کو تسلی دینا اور ان پر اپنا مال خرچ کرنا اور ان کے ساتھ شعب ابی طالب میں رہنا اور بھوک و پیاس برداشت کرنا، یہ ان کی خصوصیات تھیں۔ اس خصوصیت کو ہم بھی اور ہماری عورتیں بھی اختیار کریں کہ اپنا مال دین پر خرچ کریں اور دین کے راستے میں بچے اور بچیوں پر تکلیف آئے یا شوہر پر تکلیف آئے تو ان کو حوصلہ دیں۔ جب رسول اللہ علیہ وسلم پریشان تھے تو حضرت خدیجہ نے فرمایا:

اللہ آپ کو ذلیل ورسوا نہیں کرے گا کیوں کہ

اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ آپ رشتہ داریوں کو ملاتے ہیں۔

وَتَحْمِلُ الْکَلَّ اور آپ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

وَتَکْسِبُ الْمَالَ لِلْمَعْدُوْمِ اور مال کما کر ان کو دیتے ہیں جن کے پاس مال نہیں ہے۔

وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ اور حق کے راستے میں جو مصیبتیں پڑتی ہیں ان کی مدد کرتے ہیں۔

دیکھو! تسلی دینا، مال خرچ کرنا اور مصیبت برداشت کرنا یہ خصوصیت ہماری عورتوں میں بھی آنی چاہیے۔ جتنا عمل اونچا ہوتا ہے جزا بھی اتنا ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے فرمایا کہ: میں خدیجہ کو ایسے محل کی خوشخبری دوں جو موتی کا بنا ہوا ہے۔ جنھوں نے دین میں مشقت برداشت کی ان کے ساتھ خاص فضل و کرم اور راحت والا معاملہ ہوگا، ایک پہلو تو یہ ہے اس پہلو سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

دوسری عورت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تھی وہ حضرت عائشہ تھیں، ان کی دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ علم کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ مشغول تھیں۔ روایت حدیث میں سب سے پہلا مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے، اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس کے بعد حضرت عائشہ ہیں۔ تو ہماری خواتین کا فرض یہ ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وراثت کو سنبھالیں۔ ان کی وراثت، علم کا پھیلانا ہے۔ حضرت عائشہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو بھی علم سکھاتی تھیں۔ رشتہ داروں کے علاوہ دوسرے مرد صحابہ بھی پردے کے پیچھے بیٹھ کر ان سے علمی استفادہ کرتے تھے جس پر کئی احادیث دال ہیں کہ پردے کے پیچھے سے حضرت عائشہ نے یہ فرمایا، یہ فرمایا وغیرہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کی ایک خاتون حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں، ان کو ایک نمایاں خصوصیت یہ حاصل تھی کہ وہ گھر کا کام کاج خود کیا کرتی تھیں۔ وہ واقعہ تو آپ سب جانتی ہوں گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام اور خادمائیں آئی تھیں۔ حضرت فاطمہ نے گھر کے کام کاج کے لیے ایک خادم طلب فرمایا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم عطا نہیں فرمایا بلکہ اس کی جگہ تسبیحاتِ فاطمہ سکھائیں۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ تسبیحاتِ فاطمہ کو غنیٰ، مال داری اور رزق کی وسعت میں بہت بڑا دخل ہے۔ دوسری بات جو ہمیں اس روایت سے ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے خادم یا خادمہ کا انتظام نہیں فرمایا کیوں کہ گھر کا کام کاج خادم کے بغیر عورت چلا سکتی ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خادم دے دیتے تو یہ مسئلہ بن جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو جب خادمہ ملی تھی تو ہم سب کو بھی خادمہ ملنی چاہیے۔ بغیر خادمہ کے کام ہی نہیں کریں گی۔ حالاں کہ غریب اور متوسط گھرانوں میں یہ کام نہیں ہوتا یہ خادم اور خادمائیں نہیں ہوتیں۔ تو جیسے آپ کا کام علم سیکھنا ہے، اسی طرح آپ کا کام گھر کا کام کاج سیکھنا بھی ہے، آپ کی ڈیوٹی اور فرائض مردوں سے زیادہ ہیں کیوں کہ مردوں کا کام صرف باہر کا کام ہے اور آپ کے ذمہ گھر کے کام کاج کے ساتھ علم کا کام بھی ہے جو کہ حضرت عائشہ و فاطمہ رضی اللہ عنہما کا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ

بعد میں لوگوں کو پریشانیاں لاحق ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی تینوں خواتین کی خصوصیات پر ہمیں نظر رکھنی چاہیے۔ پھر آج کل عورتوں کے مسائل اتنا زیادہ ہیں کہ مردوں کے لیے ان کا سمجھنا تو آسان مگر ان کا سمجھانا مشکل ہے، اور اگر عورت عورت کے ذریعے علم سیکھتی ہے تو اسے زیادہ فائدہ ہوتا ہے اس لیے کہ جنس جب اپنی جنس کو سکھاتی ہے تو زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ جب دینی ماحول بنتا ہے تو اسے ہم نورانی ماحول کہتے ہیں، نورانی ماحول میں روشنی ہوتی ہے اور اس روشنی کی وجہ سے گھر میں سکون اور اطمینان ہوتا ہے۔ اب اگر کسی عالم کے گھر میں عالمہ بیوی ہو تو عالم شوہر بھی کتاب دیکھے گا اور عالمہ بیوی بھی کتاب دیکھے گی تو پھر کوئی نزاع اور جھگڑا نہیں ہوگا، اور اگر شوہر عالم ہو اور وہ کتاب دیکھتا ہے اور بیوی کتاب کے حروف کو بھی نہیں جانتی تو بیوی کہے گی کہ کتاب کیوں دیکھتے ہو؟ میرے ساتھ بات چیت کیوں نہیں کرتے؟ حضرت سفیان ثوری کی بیوی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کہتی تھی کہ:

هٰذه الكتب أضر عليّ من ثلٰث ضرائر

کہ سفیان کی کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔

اس لیے کہ شوہر کی لائن الگ تھی اور بیوی کی لائن الگ تھی اور جب دونوں کی ایک ہی علمی لائن ہو تو دونوں ایک دُوسرے کے لیے معاون ہوتے ہیں، شوہر بیوی کے لیے اور بیوی شوہر کے لیے۔ صاحبِ بدائع وصنائع خود بھی مفتی تھے اور ان کی اہلیہ بھی مسائل بتایا کرتی تھیں اور شوہر کے ساتھ تصنیف وتالیف اور افتا میں مدد کیا کرتی تھیں۔ جو فتویٰ شائع ہوتا تھا اس میں دونوں کے دستخط ہوتے تھے گویا کہ وہ بھی مدد کرتی تھیں۔

ایک بڑے بزرگ کے ایک خلیفہ تھے اور وہ خلیفہ ڈاکٹر بھی تھے۔ کسی نے ان سے ایک مرض کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہہ دیا کہ فلاں ڈاکٹر سے رجوع کرو۔ جیسا کہ دوسرے ڈاکٹر کہتے ہیں۔ تو ان بزرگ نے ان ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ: ڈاکٹر صاحب! جیسے آپ کو تصوف کی لائن میں سب سے آگے ہونا چاہیے ایسے ہی ڈاکٹری کی لائن میں بھی آپ کو سب سے آگے ہونا چاہیے تاکہ باہر کے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان مولویوں نے ڈاکٹروں کو بھی خراب کر دیا اور ان کی ڈاکٹری ختم ہوگئی۔ اسی طرح آپ کو اگر سلائی، کڑھائی اور گھر کے کام کاج میں تجربہ نہیں ہوگا تو علم میں چاہے جتنا بھی تجربہ ہوگا لوگ اور دیگر عورتیں آپ کو ناقص اور غیر مکمل سمجھیں گی اور وہ کہیں گی کہ یہ کیسی عورت ہے کہ جس کو عورتوں کا کام نہیں آتا لہٰذا آپ وقت کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دوسری عورتیں تو صرف گھر کا کام کاج جانتی ہوں گی اور آپ کام کاج کے ساتھ علم بھی جانتی ہوں گی تو آپ کو فوقیت حاصل ہوگی۔ آپ اپنے اساتذہ کے لیے بھی صدقہ جاریہ بنیں گی اور والدین بھی خوش ہوں گے۔ یہ نہ ہو کہ والدین ناراض ہوں کہ جب گھر میں آتی ہیں تو صرف کتاب کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے اور اس کے علاوہ کسی کام کو نہیں جانتی لہٰذا اپنے اوقات کو تقسیم کرنا ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک علم کا کام اور فلاں وقت سے فلاں وقت تک گھر کا کام کروں گی۔

شمائل ترمذی میں یہ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رات کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ ایک حصہ اہل و عیال کے لیے، ایک حصہ اپنے آرام کے لیے جس میں سے کچھ حصہ نکال کر صحابہ کو دیا کرتے تھے اور ایک حصہ اپنے رَبّ ذوالجلال کی عبادت کے لیے تھا۔ یہ سیرت کی کتابیں جب ہم پڑھتے ہیں تو یہ صرف پڑھنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ سیکھنے کے لیے بھی ہیں۔ ہم بھی اپنے اوقات، دن کے ہوں یا رات کے، ان کو تقسیم کرلیں اور یہ ترتیب بنالیں کہ فلاں وقت سے فلاں وقت ہمیں یہ دینی کام کرنا ہے اور فلاں وقت سے فلاں وقت ہمیں یہ دنیوی کام سیکھنا ہے، والدہ اور والد کی خدمت کرنی ہے، شوہر اور بچوں کی خدمت کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو برکات سے نوازے اور آپ سے دین کی خدمت لے لے۔

●●

چودھویں اور پندرہویں صدی کی

چند کتبِ فتاویٰ اور ان کے مصنفین

از: مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

فتاویٰ رضویہ:

از: امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

یہ فتاویٰ جہازی سائز کے دس ہزار صفحات سے زیادہ پر مشتمل بارہ جلدوں میں تھے۔ اب جدید طرز پر ترتیب وکتابت اور تخریج کے بعد تیس جلدوں میں ہیں۔ ان فتاویٰ کی خصوصیات وہ نہیں جو اس مختصر میں بیان کردی جائیں۔ چند گوشے علامہ عبدالحکیم شرف قادری کے ''کلمات آغاز'' سے ملاحظہ فرمائیں جوانہوں نے ترتیبِ جدید کی جلد اول پر بطور مقدمہ تحریر فرمائے:

''عام طور پر مفتیانِ کرام کی طرف عوام الناس رجوع کرتے ہیں اور احکام شرعیہ دریافت کرتے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کے مطالعے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی طرف رجوع کرنے والوں میں بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو بجائے خود مفتی تھے، مصنف تھے، جج تھے یا وکیل تھے۔ مولانا خادم حسین فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے ایک مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے:

''امام احمد رضا بریلوی............بحیثیت مرجع العلماء''

اس مقالے میں انھوں نے فتاویٰ رضویہ کی نو جلدوں (پہلی سے ساتویں اور دسویں گیارہویں جلد) کا مطالعہ پیش کیا ہے، ان کے فراہم کردہ اعداد وشمار کے مطابق ان جلدوں میں چار ہزار پنچانوے (۴۰۹۵) استفتا ہیں جن میں سے تین ہزار چونتیس (۳۰۳۴) عوام الناس کے استفتا ہیں اور ایک ہزار اکسٹھ (۱۰۶۱) استفتا علما اور دانشوروں کے پیش کردہ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ استفتا کرنے والوں میں ایک چوتھائی تعداد علما اور دانشوروں کی ہے یہی وجہ کہ عموماً امام احمد رضا بریلوی جواب دیتے وقت ہاں یا نہیں میں بات نہیں کرتے بلکہ دلائل وبراہین کے انبار لگا دیتے ہیں۔ مولانا خادم حسین کا یہ مقالہ فتاویٰ رضویہ کی پیش نظر جلد (اول) میں شائع کیا جارہا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کی جلالت علمی کا یہ عالم تھا کہ انہیں جو عالم بھی ملا عقیدت واحترام سے ملا اور ہمیشہ کے لیے ان کا مداح بن گیا۔ حضرت علامہ مولانا وصی احمد محدث سورتی، عظیم محدث اور عمر میں بڑے ہونے کے باوجود امام احمد رضا بریلوی سے اس قدر والہانہ تعلق رکھتے تھے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔ حضرت علامہ مولانا سراج احمد خان پوری اپنے دور کے جلیل القدر فاضل تھے اور علم میراث میں تو انہیں تخصص حاصل تھا۔ الزبدۃ السراجیہ لکھتے وقت ذوی الارحام کی صنف رابع کے بارے میں مفتی بہ قول دریافت کرنے کے لیے دیوبند، سہارن پور اور دیگر علمی مراکز کی طرف رجوع کیا، کہیں سے تسلی بخش جواب نہ آیا پھر انہوں نے وہی سوال بریلی بھجوادیا، ایک ہفتے میں انہیں جواب موصول ہوگیا جسے دیکھ کر ان کا دماغ روشن ہوگیا اور تازیست امام احمد رضا بریلوی کے فضل وکمال اور تبحر علمی کے گن گاتے رہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ امام احمد رضا سے شدت سے اختلاف رکھنے والے بھی ان کی فقاہت اور تبحر علمی کے قائل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ امام احمد رضا بریلوی نے ندوۃ العلماء کی صلح کلیت کا سخت تعاقب اور رد کیا تھا، اس کے باوجود ندوہ کے ناظم اعلیٰ ابوالحسن علی ندوی لکھتے تھے:

''ان کے زمانے میں فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو، اس حقیقت پر ان کا فتاوی اور ان کی کتاب ''کفل الفقیہ'' شاہد ہے جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظّمہ میں لکھی۔''

گزشتہ سال مولانا کوثر نیازی ہندوستان گئے تو ندوۃ العلماء بھی گئے۔ واپسی پر انہوں نے اپنے تاثرات میں ندوہ کے بارے میں لکھا کہ اس کے ہال میں ہندوستان کے ممتاز علما کا امتیازی مقام واضح کرنے کے لیے چارٹس آویزاں کیے گئے تھے چنانچہ علم فقہ میں ممتاز شخصیت کی حیثیت سے حضرت مولانا احمد رضا خاں کا نام لکھا ہوا تھا۔ تذکرہ وتاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کیے بغیر یہ حقیقت آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے کہ

اس دور میں بڑے بڑے فقہا ہو گزرے ہیں ان سب میں ممتاز فقیہ کے طور پر امام احمد رضا بریلوی کا نام منتخب کرنا اور وہ بھی ان کے مخالفین کی طرف سے، ان کی فضل و کمال کی بڑی دلیل ہے۔

الفضل ما شهدت به الاعداء

(فضیلت وہ ہے جس کی گواہی مخالفین بھی دیں)

امام احمد رضا بریلوی میں بہت سی مجتہدانہ خصوصیات پائی جاتی ہیں اور ان کے بیان و استدلال میں واضح طور پر اجتہاد کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس کے باوجود تکبر اور عجب کی زد میں نہیں آتے۔ وہ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ میں مجتہد ہوں اور براہ راست کتاب وسنت سے استدلال کرتا ہوں بلکہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد کی حیثیت سے فتوی دیتے ہیں اور مذہب حنفی کی تائید وحمایت میں ہی دلائل فراہم کرتے ہیں۔

فتاویٰ امجدیہ:

صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی (متوفی ۱۳۶۷ھ)

یہ فتاویٰ چار جلدوں میں ہیں۔ حضرت مصنف کو امام احمد رضا قدس سرہ سے فن افتا میں شرف تلمذ حاصل تھا، آپ نے تفقہ کے سلسلے میں صدر الشریعہ کو اپنے تلامذہ میں خصوصی شرف سے نوازا اور فرمایا:

''آپ یہاں کے موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا، اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتا سنایا کرتے ہیں اور جو جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں، طبیعت اخاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔'' (الملفوظ: ۱/ ۱۰۳، فتاویٰ امجدیہ اول۔ تعارف: ذ)

حضرت مصنف کے فتاویٰ کتاب وسنت کی تائیدات سے مزین ہیں، فقہی کلیات وجزئیات اور نظائر وشواہد سے مملو اور ندرتِ استدلال وحسنِ استنباط میں فتاویٰ رضویہ کا عکس نظر آتا ہے۔

آپ کی ولادت ۱۲۹۶ھ میں گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری کی خدمت میں مدرسہ حنفیہ جونپور حاضر ہوئے، علوم وفنون کی تکمیل کے بعد علم حدیث محدث عصر حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی سے مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں حاصل کیا۔ منظر اسلام بریلی شریف، دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف، دار العلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ وغیرہا مدارس دینیہ میں درس وتدریس کی مسند کو زینت بخشی۔ فقہ حنفی کے جزئیات پر مشتمل عظیم کتاب اردو زبان میں سترہ حصوں میں ''بہار شریعت'' کے نام سے تصنیف فرمائی اور آخر میں **شرح معانی الآثار** پر عربی حاشیہ لکھا جو مکمل نہ ہو سکا۔ البتہ جس قدر تحریر فرمایا تھا وہ نہایت تحقیقی ہے اور طبع ہو چکا ہے۔

فتاویٰ صدر الافاضل:

صدر الافاضل علامہ شاہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی

(متوفی ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء)

یہ فتاویٰ ایک جلد میں ہیں۔ حضرت مصنف کو امام احمد رضا سے نہایت قرب حاصل تھا اور خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ آپ کی ولادت ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء میں ہوئی۔ والد ماجد مولانا سید معین الدین نزہت ہیں۔ ابتدائی تعلیم حافظ سید نبی حسین اور حافظ حفیظ اللہ سے حاصل کی۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا، فارسی کی تعلیم والد ماجد سے اور متوسطات کی تعلیم مولانا حکیم فضل احمد سے حاصل کی، مختلف علوم وفنون شیخ الکل علامہ سید محمد گل کابلی سے حاصل کیے۔ بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ تصانیف میں تفسیر قرآن ''خزائن العرفان'' ہے جو امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن ''کنز الایمان'' کے حاشیہ پر تحریر فرمائی، مقبول خواص وعوام ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جیسے الکلمۃ العلیاء (مسئلہ علم غیب میں) اطیب البیان رد تقویۃ البیان، التحقیقات، ارشاد الانام، وغیرہا۔ ایک عظیم دار العلوم قائم فرمایا جو آج جامعہ نعیمیہ کے نام سے آپ کی یادگار ہے۔ آپ کے فتاویٰ محفوظ نہ رہ سکے، جو کچھ مل سکے وہ ایک جلد میں طبع ہو چکے ہیں۔

فتاویٰ حامدیہ:

حجۃ الاسلام علامہ شاہ محمد حامد رضا خاں (متوفی: ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء)

یہ فتاویٰ ایک جلد میں ہیں۔ حضرت مصنف، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے شہزادۂ اکبر ہیں۔ ۱۲۹۲ھ ۱۸۷۵ء کو محلّہ سوداگران بریلی شریف میں ولادت ہوئی۔ ''محمد'' نام پر عقیقہ ہوا اور عرفی نام ''حامد رضا'' رکھا گیا۔ جملہ علوم وفنون اپنے والد ماجد امام احمد رضا سے حاصل کیے۔ اعلیٰ حضرت کے دوسرے حج وزیارت ۱۳۲۳ھ کے موقع پر ساتھ تھے۔ مکہ مکرمہ میں شیخ محمد سعید بابصیل اور مدینہ طیبہ میں علامہ سید برزنجی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ اکابر علمائے حرمین نے سندیں عطا کیں۔ علامہ خلیل خربوطی نے سند فقہ حنفی عطا فرمائی جو صرف

دو واسطوں سے علامہ طحطاوی تک پہنچتی ہے۔ بیعت وخلافت نور العارفین سید شاہ ابوالحسین نوری میاں مارہروی سے حاصل تھی۔

آپ دارالعلوم منظر اسلام میں صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز رہے۔اعلیٰ حضرت نے جمیعِ سلاسل اور جملہ علوم وفنون کی اجازت عطا فرمائی۔

اعلیٰ حضرت نے مکہ مکرمہ میں علم غیب کے موضوع پر آٹھ گھنٹے میں جو عظیم کتاب الدولة المكية بالمادة الغيبية کے نام سے تحریر فرمائی اس کی تسوید وتبییض آپ کے ہاتھوں ہی ہوئی۔ پھر اس کا نہایت فصیح وبلیغ ترجمہ اردو زبان میں آپ نے ہی کیا۔

آپ کو خاص طور پر عربی زبان میں مہارت تامہ حاصل تھی اور تاریخ گوئی میں اپنے والد ماجد کے عکس جمیل تھے۔آپ حسن سیرت وصورت دونوں کا آئینہ تھے۔ زہد وتقویٰ تو وراثت میں پایا تھا۔ پوری زندگی خدمت دین کے لیے وقف رہی۔ والد ماجد اعلیٰ حضرت اور جد امجد رئیس الاتقیاء مفتی نقی علی خاں کی طرح کبھی کسی کی ملازمت اختیار نہیں کی اور نہ کسی نواب وجاگیردار کی ستائش وقصیدہ خوانی کی۔ ہمیشہ تبلیغِ دین وسنت کا جذبہ دل میں موجزن رہا اور نہایت پاکیزہ زندگی گزار کر ستر سال کی عمر میں ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں وصال فرمایا۔ خانقاہ رضویہ میں مزار پاک مرجع انام ہے۔

فتاویٰ ملک العلماء:

ملک العلماء علامہ شاہ محمد ظفرالدین قادری رضوی

(متوفی: ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء)

یہ فتاویٰ ایک جلد میں ہیں۔حضرت مصنف اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے فیض یافتہ اور خاص تلمیذ رشید تھے۔علم توقیت وجفر خاص طور پر اعلیٰ حضرت نے ان کو پڑھایا اور بخاری شریف کے درس کے علاوہ افتا کی مشق بھی کرائی اور آپ کو جامع علوم وفنون بنا دیا۔

آپ کی ولادت ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۰ء کو موضع رسول پور ضلع نالندہ (بہار) میں ہوئی۔ رسم تسمیہ خوانی کے بعد ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، پھر موضوع بین ضلع پٹنہ کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں ۱۳۱۲ھ میں داخل ہوئے اور یہاں کے اساتذہ سے جلالین شریف تک تعلیم حاصل کر کے پٹنہ کے ادارے میں محدث سورتی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اس کے بعد کانپور اور پھر بریلی شریف امام احمد رضا کی بارگاہ میں۔ یہاں منظر اسلام سے فراغت کے بعد تدریس، تصنیف اور افتا کا آغاز اسی دارالعلوم سے کیا۔ ۱۳۲۹ھ میں شملہ (ہماچل) چلے گئے اور پھر مدرسہ حنفیہ آرہ (بہار) میں مسند درس کو رونق بخشی۔ ۱۳۳۸ھ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں درس دینا شروع کیا اور ۱۹۴۸ء میں آپ یہاں پرنسپل ہو گئے۔ ۱۹۵۰ء میں ریٹائر ہونے کے بعد بحرالعلوم کٹیہار (بہار) کے فروغ واستحکام میں دس سال صرف فرمائے، پھر آپ ظفر منزل پٹنہ میں سکونت پذیر ہو کر دو سال تک باحیات رہے اور ۱۳۸۲ھ میں انتقال فرمایا۔آپ کے فتاویٰ جملہ ابواب فقہیہ پر ہیں مگر قلیل تعداد میں۔ غالباً باقی محفوظ نہ رہ سکے۔آپ کثیر التصانیف تھے۔

فتاویٰ اجملیہ:

اجمل العلماء علامہ شاہ مفتی محمد اجمل قادری رضوی سنبھلی

متوفی: ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء

یہ فتاویٰ چار جلدوں میں ہیں۔تحقیقات عالیہ پر مشتمل عظیم ذخیرہ ہے جو راقم الحروف کی ترتیب جدید کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ حضرت مصنف کا شمار اکابر علماے ہند میں ہوتا ہے، آپ کی ولادت ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں ہوئی۔ والد کا نام الحاج شاہ محمد اکمل ہے۔ ابتدائی تعلیم جد امجد غلام رسول اور والد ماجد سے اپنے وطن سنبھل میں حاصل کی۔ پھر مراد آباد صدر الافاضل کی خدمت میں حاضر ہو کر جملہ علوم وفنون حاصل کیے، ۱۳۴۲ھ۔ ۲۴/ سال کی عمر میں فارغ ہوئے۔ ۱۳۳۷ھ میں اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور اعلیٰ حضرت کے شہزادۂ اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔ ۲۵ سال کی عمر سے فتویٰ نویسی کا آغاز کیا، مسلسل ۳۸ سال تک فتاویٰ لکھے۔ ساتھ ہی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ تازیست رہا ہے۔ سنبھل میں مدرسہ اجمل العلوم قائم کیا جو آپ کی یادگار ہے۔ آپ نے متعدد تصانیف بھی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں ''فیصلہ حق وباطل، تحائف حنفیہ'' وغیرہا ہیں۔

فتاویٰ حشمتیہ:

شیر بیشۂ اہل سنت علامہ مولانا حشمت علی خاں پیلی بھیتی

متوفی: ۱۳۸۰ھ

یہ فتاویٰ ایک جلد میں ہیں۔حضرت مصنف کی ولادت ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء لکھنؤ میں ہوئی۔ والد محترم ابوالحفاظ محمد نواب علی خاں تھے۔ حفظ

وقراءت کی تعلیم کے بعد دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف میں داخل ہوئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے دست اقدس پر بیعت کی، نہایت ذہانت وفطانت کے مالک تھے، دوران تعلیم ۱۳۳۸ھ میں دیوبندی مناظر سے ہلاوانی میں مناظرہ کیا، فتح مبین حاصل کرنے پر اعلیٰ حضرت نے ''ابوالفتح'' کا خطاب عطا فرمایا۔ ۱۳۴۰ھ میں فارغ التحصیل ہوکر منظر اسلام ہی میں مسند درس وافتا کو رونق بخشی۔ پوری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل میں گزری۔ آپ مناظر اسلام تھے، ہر باطل فرقے سے مناظرہ کیا اور ہمیشہ فتح وکامرانی حاصل کی۔ آپ کا تصلب فی الدین آپ کی تحریروں سے ظاہر ہے۔ آپ نے تقریباً پچاس کتابیں تحریر فرمائیں، انہی میں آپ کے فتاویٰ بھی ہیں جو **العطایا الرضویة فی الفتاویٰ الحشمتیة** کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

حبیب الفتاویٰ:

عمدۃ المحققین مفتی حبیب اللہ نعیمی اشرفی متوفی ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء

یہ فتاویٰ ایک جلد میں ہیں۔ حضرت مصنف نے جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے دارالافتاء میں ان فتاویٰ کو تحریر فرمایا۔ چوں کہ عمدۃ المحققین کے فتاویٰ ہیں لہٰذا تحقیق وتدقیق کا آئینہ ہیں۔ یہ جلد عقائد وعبادات پر مشتمل ہے یعنی کتاب العقائد سے کتاب الحج تک۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ باقی ابواب کے فتاویٰ منتظر طباعت ہیں۔

حضرت مصنف کی ولادت فتح پور ضلع بھاگل پور (بہار) میں ۱۹۱۷ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم وطن ہی میں مولوی لیاقت حسین صاحب اور برادر اکبر مولانا عبدالجبار سے حاصل کی، پھر یہاں کے ایک دارالعلوم مدرسہ اشرفیہ نظامیہ میں داخل ہوکر استاذ العلماء مولانا عظیم بخش بھاگلپوری سے شرح جامی تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں داخلہ لیا اور صدر الافاضل کی درس گاہ سے شرف پایا۔ ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ یہیں درس کا آغاز کیا اور پھر مدت العمر جامعہ نعیمیہ کے ہوکر ہی رہے، دارالافتاء کی ذمہ داریاں بھی آپ کے سپرد رہیں اور پھر شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز ہوئے۔

پندرہویں صدی............

فتاویٰ بحرالعلوم:

بحرالعلوم مفتی عبدالمنان اعظمی (متوفی ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء)

یہ فتاویٰ چھ جلدوں میں ہیں۔ راقم الحروف نے ان کو مرتب کیا ہے۔ حضرت مصنف نے پچاس سال سے زیادہ فتاویٰ تحریر فرمائے، کل فتاویٰ پانچ ہزار کے قریب ہیں جو چھ جلدوں میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

حضرت مصنف کی ولادت ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں مقام مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں ہوئی۔ پانچ سال کی عمر میں مدرسہ اشرفیہ مبارک پور میں داخل ہوئے۔ قرآن کریم ناظرہ حافظ عبدالغفور مبارک پوری اور ابتدائی تعلیم منشی جوادعلی خان، منشی ممتاز احمد سے حاصل کی۔

فارسی کی نصابی کتب مولانا سید شمس الحق گجہڑوی سے پڑھیں۔ باقی عربی کی نصابی کتب اساتذہ اشرفیہ اور دورۂ حدیث حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی شیخ الجامعہ سے کیا۔ ۱۳۶۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ چند سال تلسی پور ضلع گونڈہ انوارالعلوم میں درس دیا پھر اشرفیہ مبارک پور میں مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ ۱۳۹۶ھ میں صدرالمدرسین کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۴۰۸ھ میں شمس العلوم گھوسی میں شیخ الحدیث کے منصب کو رونق بخشی۔

آپ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں، ان میں ''الشاہد، مضامین بحرالعلوم، انوکھی لڑائی، مسئلہ آمین'' اور ان کے علاوہ بہت کچھ ہیں جو منتظر طباعت ہیں۔ ہندوپاک میں ہزاروں علما آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں جو آج اکابرین میں شمار ہوتے ہیں۔

فتاویٰ شارح بخاری:

فقیہ عصر شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی

(متوفی: ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء)

یہ فتاویٰ تین جلدوں میں ہیں اور فتاویٰ کا سلسلہ ابھی کتاب العقائد تک ہی ہے یعنی ابھی فقہی ابواب میں عبادات وغیرہ کا آغاز ہی نہیں ہوا ہے۔ آئندہ جلدوں کا سلسلہ کہاں تک پہنچے گا یہ مرتبین کو معلوم ہوگا۔ حضرت مصنف جماعت اہل سنت کے عظیم مفتی تھے اور آپ کو نائب مفتی اعظم کا خطاب دیا گیا تھا۔ آپ کے فتاویٰ بھی اسی عظمت شان کے حامل ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں ضلع اعظم گڑھ کے قصبہ گھوسی میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام عبدالصمد ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی۔ گلستاں بوستاں حکیم احمد علی

گھوسوی سے پڑھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے اشرفیہ مبارک پور ۱۳۵۳ھ میں داخل ہوئے۔ حافظ ملت اور دیگر اساتذہ کی خدمت میں آٹھ سال رہے۔ اس کے بعد صدر العلماء محدث میرٹھی کی خدمت میں ۱۳۶۱ھ میں حاضر ہوئے اور ایک سال رہ کر چند اہم کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ مظہر اسلام بریلی شریف محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد گورداس پوری کے پاس دورۂ حدیث کے لیے حاضر ہوئے اور صحاح ستہ کا دورہ کیا اور حضور مفتی اعظم کے دست پاک سے دستار حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے ہندوستان کے مختلف مدارس میں درس دیا۔ ان میں مظہر اسلام بریلی شریف اور شمس العلوم گھوسی بھی ہے۔ آخر میں آپ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے شعبۂ افتا کی صدارت پر متمکن ہوئے اور آخر عمر تک یہاں ہی رہے۔ آپ نے پچاس ہزار سے زیادہ فتاویٰ لکھے۔ ان کے علاوہ آپ نے درجنوں معرکۃ الآرا کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ ان میں ''نزہۃ القاری شرح بخاری'' نہایت اہم اور تحقیق کا موجزن دریا ہے۔

فتاویٰ فیض الرسول:

فقیہ ملت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی، متوفی: ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

یہ فتاویٰ دو جلدوں میں ہیں۔ حضرت مصنف نے چوں کہ یہ فتاویٰ اہل سنت کی عظیم درس گاہ دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف کے دارالافتاء میں تحریر فرمائے تھے لہٰذا ان فتاویٰ کا یہ نام رکھا گیا۔

حضرت مصنف جماعت اہل سنت کے عظیم عالم دین، کہنہ مشق مدرس اور بالغ نظر مفتی تھے۔ آپ کے فتاویٰ نہایت تحقیقی ہیں اور عوام وخواص سب کے لیے یکساں مفید۔

آپ کی ولادت ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں اوجھا گنج ضلع بستی میں ہوئی۔ والد ماجد جان محمد اور جد امجد عبد الرحیم تھے۔ دونوں بزرگ صاحب تقویٰ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی اور ساڑھے دس سال کی عمر میں حفظ قرآن مکمل کیا۔ فارسی عربی کی ابتدائی کتابیں قصبہ التفات گنج میں مولانا عبد الباری سے پڑھیں۔ نہایت مشقتوں کے ساتھ آپ نے تعلیم کا یہ سفر طے کیا۔ اس کے بعد فاتح جمشید پور علامہ ارشد القادری کے پاس ناگپور حاضر ہوئے اور صبح سے شام تک کام کرنے کے بعد رات کو ۱۱ بجے تک ان کے پاس حاضر ہو کر تعلیم حاصل کرتے۔ آپ انہی صبر آزما حالات سے گزرتے ہوئے ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ چند مدارس میں تدریس کے بعد ۱۹۵۶ء میں آپ فیض الرسول براؤں شریف میں درس وتدریس کے لیے پہنچے اور مسلسل ۳۵/۳۶ سال اسی دارالعلوم میں رہے۔ آپ کے یہ فتاویٰ اسی زمانے کی کاوش ہے۔ فتاویٰ فقیہ ملت اور فتاوی برکاتیہ بھی آپ کے فتاویٰ پر مشتمل ہیں۔ ان کے علاوہ آپ نے چھوٹی بڑی بیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ ان میں انوار الحدیث، فقہی پہیلیاں، خطبات محرم، انوار شریعت اور نورانی تعلیم کو نہایت شہرت ملی اور مقبول خاص و عام ہوئی۔ آخری ایام میں اپنی آراضی وقف فرما کر اپنی بستی اوجھا گنج میں ایک دارالعلوم امجدیہ ارشد العلوم قائم فرمایا اور تربیت افتا کا شعبہ قائم کر کے دارالعلوم کو انفرادی حیثیت کا مالک بنایا۔ آج بھی یہ تمام چیزیں آپ کی یادگار ہیں۔

فتاویٰ مفتی اعظم:

مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں

(متوفی: ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء)

یہ سب سے پہلے تین چھوٹے چھوٹے حصوں میں شائع ہوئے پھر ایک ضخیم جلد میں حضرت فقیہ ملت نے اپنی نگرانی میں مرتب فرما کر شائع کیے۔ اب کچھ غیر مطبوعہ فتاویٰ اور بیس رسائل مطبوعہ وغیر مطبوعہ کے اضافہ کے ساتھ چھ جلدوں میں ہیں۔

صدیوں کی شمار کے اعتبار سے یہ فتاویٰ چودہویں صدی کی یادگار ہیں اس لیے کہ اس کا تاریخی نام بزرگوں کی جانب سے ''المکرمۃ النبویۃ فی الفتاویٰ المصطفویۃ (۱۳۲۹)'' منقول ہے۔

غالباً یہ تاریخی نام حضور مفتی اعظم کے اس پہلے فتوے کے اعتبار سے ہے جو آپ نے مسئلہ رضاعت کے سلسلہ میں قلم برداشتہ تحریر فرمایا تھا اور امام احمد رضا محدث بریلوی نے بغیر کسی اصلاح کے تصویب وتصدیق فرما کر آپ کی فقہی بصیرت پر مہر ثبت فرمادی تھی۔ یہ واقعہ حضرت کی فراغت کے فوراً بعد کا ہے جب حضرت کی عمر ۱۸/۱۹ سال ہوگی۔ اس لحاظ سے ۱۳۲۹ھ ہی ہوئی کیوں کہ آپ کی ولادت ۱۳۱۰ھ میں ہے۔ راقم الحروف نے انہیں چھ جلدوں میں مرتب کر دیا ہے۔ آپ ان میں تقریباً پانچ سو فتاویٰ اور ۲۲ رسائل کے مطالعہ سے مشرف ہوں گے۔

●●

نصیحت آموز حکایات

از: ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی ودیگر

اپنا محاسبہ آپ

بیان کیا جاتا ہے، ایک مسافر اتفاقاً خدا رسیدہ لوگوں کے حلقے میں پہنچ گیا اوران کی اچھی صحبت سے اسے بہت زیادہ فائدہ پہنچا۔اس کی بُری عادتیں چھوٹ گئیں اور نیکی میں لذت محسوس کرنے لگا۔

یہ انقلاب یقیناً بے حد خوش گوار تھا لیکن حاسدوں اور بدخواہوں کے دلوں کو کون بدل سکتا ہے۔اس شخص کے مخالفوں نے اس کے بارے میں مشہور کر دیا کہ اس کا نیکی کی طرف راغب ہو جانا تو محض دنیا کو دکھانے کے لیے ہے۔ اس بات سے اسے بہت صدمہ پہنچا۔ چنانچہ وہ ایک دن اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا۔مرشد نے کہا کہ یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تیرے مخالف تجھے جیسا بتاتے ہیں تو ویسا نہیں۔صدمے کی بات تو یہ ہوتی کہ تو اصلاً برا ہوتا اور لوگ تجھے نیک اور شریف بتاتے۔

عزیز بچو: اس حکایت میں حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے نہایت لطیف پیرائے میں اپنا محاسبہ آپ کرتے رہنے کی تعلیم دی ہے۔اپنے بارے میں اہل دنیا کی رائے کو ہرگز قابل اعتبار نہیں سمجھنا چاہیے۔یہاں تو اچھوں کو بڑا اور بڑوں کو اچھا کہنے کا رواج ہے۔اس کے علاوہ دوسری بہت ہی عمدہ بات یہ بتائی ہے کہ برائی کر کے اچھا مشہور کرنے کی خواہش کے مقابلے میں یہ بات ہر لحاظ سے مستحسن ہے کہ انسان اچھا ہو اور لوگ اسے برا خیال کریں۔☆☆☆

باپ کی نصیحت

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک فقیہ نے اپنے باپ سے کہا کہ یہ متکلم باتیں تو بہت لچھے دار کرتے ہیں لیکن ان کا عمل ان کے قول کے مطابق نہیں ہوتا۔دوسروں کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ دنیا سے دل نہیں لگانا چاہیے لیکن خود مال و دولت جمع کرنے کی فکر سے فارغ نہیں ہوتے۔ ان کا حال تو قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے (تم لوگوں کو تو بھلائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے ہو لیکن اس سلسلے میں اپنی حالت پر کبھی غور نہیں کرتے)۔

باپ نے کہا۔اے بیٹے !اس خیال کو ذہن سے نکال دے کہ جب تک کوئی عالم باعمل نہیں ملے گا تو نصیحت پر کان نہ دھرے گا۔ بھلائی اور نیکی کی بات جہاں سے بھی سنے اسے قبول کر۔اس نابینا شخص جیسا بن جانا مناسب نہیں جو کیچڑ میں پھنس گیا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے برادران اسلام! جلد سے میرے لیے ایک چراغ روشن کر دو۔اس کی یہ بات سنی تو ایک خاتون نے کہا کہ جب تجھے چراغ ہی دکھائی نہیں دیتا تو اس کی روشنی سے کسی طرح فائدہ حاصل کرے گا؟ اے بیٹے!واعظ کی محفل بازار کی دکان کی طرح ہے کہ جب تک نقد قیمت ادا نہ کی جائے جنس ہاتھ نہیں آتی۔اسی طرح عالم کے ساتھ عقیدت شرط اوّل ہے۔ دل میں عقیدت نہ ہوگی تو اس کی بات دل پر اثر نہ کرے گی۔نصیحت تو دیوار پر بھی لکھی ہوئی ہو تو قابل قبول ہوتی ہے۔

عزیز بچو! حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے اس حکایت میں اصلاح نفس کے لیے یہ زریں گر بتایا ہے کہ جن لوگوں سے کچھ حاصل کرنا ہو ان میں عیب تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔علم حاصل کرنے کا انحصار تو عقیدت اور ادب پر ہی ہے۔نصیحت بھی اس وقت تک دل پر اثر نہیں کرتی جب تک سننے والا عقیدت سے نہ سنے۔اس کے علاوہ یہ بات بھی ہمہ وقت ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ بے عیب ذات تو صرف اللہ پاک کی ہے۔عیب ڈھونڈنے کی نظر سے دیکھا جائے تو اچھے اچھے آدمی میں بھی کوئی خامی نکل آئے گی۔ ☆☆☆

بدآواز قوال

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ میرے استاد ابوالفرج بن جوزی قوالی سننے کے خلاف تھے جسے صوفی لوگ سماع کہتے ہیں اور روحانی ترقی کے لیے جائز سمجھتے ہیں۔ادھر نوعمری کے جذبات کی وجہ سے مجھے ایسی محفلوں میں جانے کا بہت شوق تھا اور میں اپنے استاد کی نصیحت کو نظر انداز کر کے چوری چھپے ایسی محفلوں میں

شریک ہوتا رہتا تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے۔ میں ایک محفل میں شریک ہوا تو وہاں ایک ایسا گویا گا رہا تھا جس کی آواز بہت خراب تھی اور جو گانے کے فن سے بھی آشنا نہ تھا۔ حاضرین میں سے ہر شخص اس کا گانا سن کر بیزار ہو رہا تھا۔ خود میرا بھی یہی حال تھا۔ دل چاہتا تھا کہ محفل سے نکل بھاگوں لیکن محفل کے آداب کا خیال کر کے بیٹھا تھا۔

خدا خدا کر کے اس بدآواز گویے نے گانا ختم کیا اور لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ انعام واکرام دینے کا معاملہ تو رہا ایک طرف، کسی کے منھ سے تعریف کا ایک لفظ نہ نکلا لیکن میں جلدی سے آگے بڑھا، اپنا عمامہ اتار کر اس کے سر پر رکھ دیا۔ کمر سے دینار نکال کر اسے دیے اور پھر نہایت گرم جوشی سے اس سے بغل گیر ہو گیا۔

حاضرین نے میری اس حرکت کو بہت حیرت سے دیکھا۔ ایک صاحب نے پوچھا، بھلا آپ کو اس شخص کے گانے میں کون سی خوبی دکھائی دی جو اس کی عزت بڑھائی؟ ہم نے آج تک نہیں دیکھا کہ کسی محفل سے اسے چاندی کا ایک ٹکڑا بھی ملا ہو۔

میں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو، مجھ پر تو اس شخص کی کرامت ظاہر ہو گئی۔ سوال کیا گیا۔ وہ کیا؟ میں نے جواب دیا، میرے استاد محترم علامہ ابن جوزی نے مجھے بارہا منع کیا ہے کہ میں سماع کی محفلوں میں شریک نہ ہوا کروں لیکن اس حکم پر عمل نہ کرتا تھا۔ الحمد اللہ! آج اس شخص کا گانا سن کر میرے دل کی حالت بدل گئی اور آئندہ میں سماع کی محفلوں میں کبھی شامل نہ ہوں گا۔

(از: ڈاکٹر مشاہد رضوی) ☆☆☆

مفید باتیں

و کان تحته کنز لهما (آیت) کے تحت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس میں سات سطریں لکھی ہوئی تھیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

(۱) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو یہ جانتا ہے کہ دنیا آخر ختم ہونے والی ہے پھر اس میں رغبت کرے۔ (۲) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو یہ جانتا ہے کہ ہر چیز مقدر سے ہے پھر بھی کسی چیز کے جاتے رہنے پر افسوس کرے۔ (۳) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو آخرت کا یقین ہو پھر بھی مال جمع کرے۔ (۴) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو جہنم کی آگ کا علم ہو پھر بھی گناہ کرے۔ (۵) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ کو جانتا ہو پھر بھی کسی اور چیز کا ذکر کرے۔ (۶) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو جنت کی خبر ہو پھر دنیا میں کسی چیز سے راحت پائے (بعض نسخوں میں یہ بھی ہے) (۷) مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو شیطان کو دشمن سمجھے پھر بھی اس کی اطاعت کرے۔

جو شخص دو چہرے والا ہو دنیا میں (منافق) تو قیامت کے اس کی زبان آگ کی ہوگی۔ (حدیث)

جس شخص نے کسی کے عیب کو دیکھا اور چھپا لیا وہ اس شخص کے مانند ہے جس نے زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو زندہ کر دیا۔ (حدیث)

پیش کش: مزمل حسین متعلم: جامعہ غوثیہ ☆☆☆

درویشی کا سبب

روایت ہے کہ مصر کا ایک مالدار تاجر دسترخوان پر بیٹھا ہوا اپنی بیوی کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور مرغ بریاں اور میدے کی روٹیاں موجود تھیں۔ ایک فقیر نے پکارا۔ اس بخیل تاجر نے اسے جھڑک دیا۔ اور بیوی سے کہا کہ دروازہ بند کر لے۔ نیز غلام کو تاکید کی کہ یہاں کوئی نہ آنے پائے۔ فقیر شکستہ دل ہو کر چلا گیا۔ تھوڑے دنوں میں تاجر کو شامت آئی مال برباد ہو گیا۔ تجارت میں بڑا نقصان ہوا، گھربار بک گیا۔ زوجہ مطلقہ ہو گئی۔ تاجر دربدر گدائی کرنے لگا۔ چند روز بعد زوجۂ مذکور نے ایک مالدار تاجر سے نکاح کیا۔ ایک روز مرغ بریاں اور میدے کی روٹیاں دسترخوان میں دھری ہوئی تھیں اور اپنے شوہر ثانی کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی۔ یکایک فقیر نے دروازے پر پکارا۔ اس مالدار نے ایک روٹی اور مرغ بریاں توڑ کر بیوی کو دیا کہ جا کر فقیر کو دے آیا۔ بی بی گئی اور جا کر فقیر کو دی اور ادھر سے روتی ہوئی آئی۔

شوہر ثانی نے پوچھا کیا بات ہے۔ بولی یہ فقیر میرا پہلا شوہر ہے بڑا مالدار تاجر تھا۔ زمانے کی گردش نے اس کو دربدر مانگنے پر مجبور کر دیا ہے۔ شوہر ثانی نے کہا یہ زمانے کی گردش نہیں بلکہ انصاف ہے۔ میں وہی فقیر ہوں جس کو اس نے جھڑک کر دروازے سے ہانک دیا تھا اور تجھے دروازہ بند کرنے بھیجا تھا۔ اس کا سارا مال خدا نے میرے قبضے میں دیا اور تجھے بھی میرے پاس پہنچایا۔ لہٰذا خدا سے ہر دم خوف رکھنا چاہیے اور کبھی بھی آداب شریعت کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔

از: محمد آزاد رضا متعلم جامعہ غوثیہ نجم العلوم

●●

دینی، دعوتی، علمی اور تحریکی سرگرمیاں

از: ادارہ

جزیرۂ اَنڈمان میں پہلی بار منعقد علامہ فضل حق خیرآبادی کانفرنس

قائد دستۂ حریت علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی جاے دفن اَنڈمان (کالا پانی) میں پہلی باران کی روشن خدمات کے حوالے چار روزہ کانفرنس کا انعقاد 'علامہ فضل حق خیرآبادی چیرٹیبل فاؤنڈیشن' کے زیرِاہتمام ریاست کے مختلف حصوں میں کیا گیا۔

۸فروری ۲۰۱۵ء: پہلا اجلاس ۸؍فروری کوترنگا پارک پورٹ بلیئر میں منعقد کیا گیا جس میں مقامی مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم ہندو اور عیسائیوں کی کثیر تعداد شریک ہوئی۔ مرکز الثقافۃ السنیہ اَنڈمان کی دعوت پہ ۲۰۱۲ء میں بحیثیت اسکول پرنسپل اَنڈمان تشریف لانے والے مفتی جاوید عنبر مصباحی اور اسکول انتظامیہ کی ڈھائی سالہ محنت رنگ لائی، تاریخ صدیوں سے جس کی منتظر تھی وہ ممکن ہوسکا۔ یہ مجلس ''علامہ فضل حق خیرآبادی چیرٹیبل فاؤنڈیشن اَنڈمان'' کے زیرِاہتمام سجائی گئی۔ جس کی سرپرستی مفتی جاوید عنبر مصباحی بانی وسربراہِ اعلیٰ علامہ فضل حق خیرآبادی چیرٹیبل فاؤنڈیشن انڈمان فرمارہے تھے۔ جب کہ مہمان خصوصی کے طور پہ مولانا خوشتر نورانی مدیر اعلیٰ ماہنامہ جام نور دہلی مدعو تھے۔ مجمع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا عبد الرحیم مصباحی پرڑیاوی نے علامہ اور اَنڈمان کے متعلق پہلوؤں کو اجاگر کیا اور لوگوں سے خیرآبادی مشن کو ساری دنیا میں عام کرنے کی اپیل کی، جب کہ عنبر مصباحی نے علامہ کی قیادت وبصیرت کے گوشوں کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے انہیں جنگ آزادی اور آزاد ہند کا 'مظلوم محسن' قرار دیا، علاوہ ازیں انہوں نے یہ ذکر کیا کہ علامہ مختلف علوم وفنون میں مہارت اور صفت قیادت سے اتصاف کے ساتھ فن شاعری میں بھی امام وقت تھے، انہوں نے اپنی زندگی میں کم وبیش چار ہزار عربی اَشعار کہے جن میں سے اکثر نعتیہ ہیں اور ایک کثیر حصہ کی نظم انہوں نے اَنڈمان کی سرزمین پہ فرمائی ہے۔ انہوں نے اسلام کو دہشت گردی کا الزام دینے والوں سے کہا کہ اسپین اور ہند میں مسلمانوں کی حکومت چھ سے آٹھ صدیوں تک رہی، کیا عقل اسے ممکن مان سکتی ہے کہ حکمراں بزورشمشیر اپنے مذہب کا آٹھ سو سالوں تک پرچار کرے پھر بھی اس مذہب کے ماننے والے شدید اقلیت میں رہ جائیں؟ اگر انگریزوں کی طرح مسلم حکومت بھی ظالم ہوتی تو انگریزوں کی طرح انہیں بھی ایک صدی کے اندر اکھاڑ پھینک دیا جاتا اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفر کو قیادت ہرگز نہ سونپی جاتی۔ مہمان خصوصی خوشتر نورانی صاحب نے اپنے خطاب میں علامہ فضل حق خیرآبادی کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا اور ہندوستانیوں بالخصوص امت مسلمہ پہ ان کے تین خاص دینی ودنیوی احسانات کو لوگوں کے دلوں میں جاگزیں کرایا نیز علامہ خیرآبادی تک منتظم اجلاس عنبر مصباحی کے سلسلۂ اساتذہ کو شمار کرایا، انہوں نے مزید کہا کہ علامہ کس قدر علم دوست تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دوات وقلم سے خالی سرزمین اَنڈمان میں رہ کر بھی انہوں نے کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔

۱۰فروری ۲۰۱۵ء: دوسرا اجلاس جنوبی اَنڈمان مایا بندر میں منعقد ہوا، اجلاس کا آغاز کرتے ہوئے مولانا عبد الرحیم مصباحی (مدرسہ عین الہدیٰ پورٹ بلیئر) نے علامہ فضل حق خیرآبادی کو موجودہ زمانہ کا 'فراموش لیڈر' بتاتے ہوئے کہا کہ ہم ہندوستانیوں نے ان کی جدوجہد کو وہ مقام نہیں دیا جس کے وہ بجا طور پر حقدار ہیں۔ مولانا رضوان رضا قادری (مدرسہ فضل حق خیرآبادی مایا بندر) نے کہا کہ یہ اَنڈمان والوں کی خوش نصیبی ہے کہ اللہ نے علامہ فضل حق خیرآبادی کی آخری آرامگاہ کے طور پر اَنڈمان کو منتخب فرمایا جن کے مزار اقدس کی زیارت کے لیے ایک جہاں تشنہ اور بے تاب ہے۔ مفتی جاوید احمد عنبر مصباحی نے اپنے صدارتی خطبہ میں تمام شرکا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لوگوں سے تعلیمات خیرآبادی کو اپنانے اور دنیا میں پھیلانے کی اپیل کی، ہندو۔ مسلم اتحاد کو واضح کرتے ہوئے انہوں نے علامہ فضل حق خیرآبادی کی ذات کو آئیڈیل قرار دیا، علامہ فضل حق خیرآبادی نے پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسلم نوابوں اور راجاؤں کے ساتھ ساتھ ہندو والیانِ ریاست کو بھی خطوط روانہ کیے، ان سے ملاقاتیں کیں اور انہیں پہلی جنگ آزادی میں شرکت پہ ابھارا، اس طرح علامہ کی جدوجہد سے جنگ آزادی کی لہر پورے متحدہ ہندوستان

میں پھیل گئی اوراس کے صدقے ۱۹۴۷ء میں ہمیں آزادی ملی۔ مہمان مقرر ڈاکٹر خوشتر نورانی کا خصوصی خطاب تقریباً ایک گھنٹہ پہ مشتمل رہا جس میں انہوں نے علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی زندگی اور جنگ آزادی میں ان کی شرکت پہ قابل رشک باتیں بیان فرمائی، انہوں نے کہا کہ جس وقت علامہ فضل حق خیرآبادی صرف دس سال کے تھے اسی وقت امرأ القیس کے قصیدہ پہ تضمین نظم کر کے شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا، شاہ صاحب اتنے خوش ہوئے کہ کھڑے ہوکر گلے سے لگالیا اور خوب تعریف کی۔ جب ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی چھڑی تو علامہ فضل حق خیرآبادی نے ایک دوراندیش مدبر کی طرح بہادر شاہ ظفر کو اہم اور کلیدی مشوروں سے نوازا اور تاریخ دانوں کے نزدیک یہی جنگ ۱۹۴۷ء میں ملی آزادی کی بنیاد بنی۔

۱۲فروری ۲۰۱۵ء: اَنڈمان میں وقف بورڈ کی جانب سے علامہ فضل حق خیرآبادی کا عرس مبارک ہر سال ۱۲؍فروری کو منایا جاتا ہے۔ اس مناسبت سے علامہ فضل حق خیرآبادی چیریٹیبل فاؤنڈیشن اَنڈمان کی جانب سے ایک اجتماعی زیارت کا پروگرام منعقد کیا گیا، جس میں فاتحہ و قل اور دعا وتبرک کا اہتمام کیا گیا۔ فضل حق فاؤنڈیشن کی آواز پہ شام ۴؍ بجے مفتی جاوید عنبر مصباحی کی سرپرستی اور مولانا خوشتر نورانی کی قیادت میں سینکڑوں عاشقان خیرآبادی مزار مبارک پہ حاضر ہوئے، پھولوں سے بنی چادر محبت چڑھائی گئی، صلوٰۃ وسلام مصطفیٰ جان رحمت کا نغمہ گایا گیا اور یا نبی سلام علیک کا ترانہ گنگنایا گیا۔ بعدہٗ فاتحہ خوانی کی گئی اور خوشتر نورانی صاحب کی رقت آمیز دعا پہ مسلم وغیر مسلم سب نے اپنے اپنے ہاتھوں کو اٹھا دیا، دعا میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھائیوں کو بھی یاد رکھا گیا اور امن عالم کے لیے خاص التجا کی گئی۔

۱۳ فروری ۲۰۱۵ء: اس چار روزہ کانفرنس کا آخری اجلاس پورٹ بلیئر کے نواحی خطہ سٹیورٹ گنج میں منعقد کیا گیا۔ مولانا رفیق ثقافی نے علامہ فضل حق خیرآبادی کے حوالے سے شافعی المذہب بھائیوں کی عقیدت اور شیخ ابوبکر احمد مُسلیار کے والہانہ عشق پہ روشنی ڈالی۔ مفتی جاوید احمد عنبر مصباحی نے اپنے خطاب کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ علامہ کا احسان صرف مسلمانوں پہ نہیں ہے، بلکہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کی آزاد سرحدوں میں بسنے والا ہر شخص ان کے احسان تلے ہے جس کا شکر ہم پر واجب ہے۔ دوران تقریر عنبر مصباحی نے یہ نکتہ بھی بیان فرمایا کہ اکثر سیرت نگاروں نے تذکرۂ علامہ کے ضمن میں 'سیلولر جیل' کا ذکر کیا ہے مگر سیلولر جیل کی گیلری نمبر ۵ کے مطابق اَنڈمان میں بندکوٹھریوں والی پہلی جیل کی تعمیر پورٹ بلیئر کے قریب واقع ایک مختصر جزیرہ 'وائپر' میں علامہ کے انتقال ۱۸۶۱ء کے تین سالوں بعد ۱۸۶۴ء میں شروع ہوئی اور یہ مرحلہ ۱۸۶۷ء میں مکمل ہوگیا جبکہ مشہور سیلولر جیل کی تعمیر انیسویں صدی کے پہلے عشرہ میں مظلوم ہندوستانی قیدیوں کے ذریعہ ہوئی۔ البتہ اس وقت کا اَنڈمان ایک کھلا جیل تھا، جہاں سے کسی قیدی کا بھاگ جانا ممکن عادی نہیں تھا۔ مقامی تاریخ دانوں کے مطابق علامہ کو پورٹ بلیئر کے علاوہ 'راس آئی لینڈ' اور 'وائپر آئی لینڈ' میں بھی رکھا گیا تھا۔ جنگ عظیم دوم میں اَنڈمان کے سارے دستاویز ضائع ہوچکے ہیں، اس لیے علامہ کے حوالہ سے اس وقت کی تفصیلی تاریخ اَنڈمان سے مہیا نہیں ہوسکتی ہے، خود سیلولر جیل کی لائبریری میں موجود کتابیں اَنڈمان کے باہر سے منگوائی گئی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ مولانا خوشتر نورانی نے مہمان خصوصی کے طور پر خطاب کرتے ہوئے علامہ کے بچپن، ان کے خاندان، ان کے خاندانی پس منظر اور خیرآبادی گھرانہ کے علم وفضل کو خاص طور پہ یاد کیا، انہوں نے کہا کہ علامہ کی وجہ سے اَنڈمان کی زیارت کا شوق ہر عالم دین اور باذوق لوگوں کو ہے۔ دوران خطاب انہوں نے مزید کہا کہ ۱۸۳۱ء میں جب علامہ دہلی سے رخصت ہورہے تھے تو آخری ہندوستانی شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی آنکھیں بھی نمناک تھیں اور وہ کہہ رہے تھے کہ آپ کے لیے لفظ وِداع زبان پہ لانا دشوار ہے۔ غالب جیسی شخصیت بھی علامہ کی مرہون منت رہی ہے، دیوان غالب کی نظر ثانی کا کام علامہ فضل حق خیرآبادی نے کیا ہے، اور یہیں تک بس نہیں بلکہ غالب کی معاشی اور قانونی مدد بھی علامہ مہیا کرواتے تھے۔ ۱۲ سال کی عمر میں علامہ کے علم و فضل کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بغرض مناظرہ ایران سے آنے والے شیعہ عالم دین کو لاجواب کردیا، اور وہ شاہ صاحب کے قدموں پہ گرگئے۔

علامہ فضل حق خیرآبادی چیریٹیبل فاؤنڈیشن اَنڈمان کے زیر اہتمام منعقد کی گئی اس عظیم الشان کانفرنس کو تاریخی قرار دیا جارہا ہے اور اسے اَنڈمان کی تاریخ میں ایک فکری اِنقلاب کا منبع گردانا جارہا ہے۔

رپورٹ: محمد اصغر علی، پورٹ بلیئر، اَنڈمان۔ ہند

☆☆☆

ناسک میں حضور تاج الشریعہ کی آمد پر اجلاس کا انعقاد

''اسلام نام ہے باطل سے بیزاری کا اور سچے عقیدے پر قائم رہنے کا۔ اگر اس کا خیال نہ رکھا گیا تو حق وباطل کا امتیاز مٹ جائے گا۔ سنی سنی آپس میں ایک رہیں اور یقین رکھیں کہ ہماری نسبت محمد رسول صلی

اللہ علیہ وسلم سے ہے، یہ نسبت خون کے رشتوں سے بالاتر ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ ہمارا ہے جو اُن کا نہیں ہے چاہے وہ ہمارا خونی رشتہ والا ہو وہ ہمارا نہیں ہے۔

اِن ملفوظاتِ مبارکہ سے حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں قادری ازہری مدظلہ العالی نے ۱۲ فروری کی شب سرزمین ناسک میں منعقدہ پروگرام میں اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ حضرت نے اپنے ملفوظاتِ عالیہ میں نصیحت کی کہ مسلک اہل سنت و جماعت جس کی پہچان اس زمانے میں مسلک اعلیٰ حضرت ہے، اس پہ سختی سے قائم رہیں۔ اس کے بغیر کوئی نیکی کوئی عمل بارگاہِ رب میں قبول نہیں۔''

جے ایم سی ٹی پالی ٹیکنک کالج گراؤنڈ پر منعقدہ اس تاریخی اجلاس میں علماے اہل سنت نے ایمان وعقیدے کے ساتھ ہی اعمال کی اصلاح پر بھی زور دیا۔ خطیب شہر ناسک حضرت حافظ حسام الدین اشرفی، جناب عبدالرؤف پٹیل، توصیف سر وعلمائے ناسک نے حضور تاج الشریعہ کا استقبال کیا۔ اختتام سلام وتاج الشریعہ کی دعا پر ہوا۔ جماعت رضائے مصطفیٰ وامام احمد رضا لرننگ سینٹر وجے ایم سی ٹی پالی ٹیکنک کالج کی طرف سے منعقدہ اس اجلاس میں ۵۰ ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی۔

رپورٹ: غلام مصطفیٰ رضوی، نوری مشن مالیگاؤں

☆☆☆

کیرالہ کے مشہور عالم دین ایم اے عبدالقادر کا سانحہ ارتحال

جنوبی ہند کے کاسرگوڈ ضلع میں دیار حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ کے قریب واقع ہندوستان کی معروف ومشہور وقدیم دانش گاہ جامعہ سعدیہ کے سرپرست اعلی اور سنی جمعیۃ العلماء کیرالہ کے صدر بزرگ عالمِ دین مذہبی پیشوا نورالعلماء ایم اے عبدالقادر طویل علالت کے بعد آبائی وطن میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ مرحوم ۹۱ برس کے تھے۔ علامہ عبدالقادر کے انتقال کی خبر ملتے ہی پوری ریاست پر سکتہ طاری ہو گیا۔ مرحوم کے آخری دیدار کے لیے عقیدت مند سیلاب کی طرح اُمنڈ پڑے۔ مرحوم کی نماز جنازہ شیخ ابوبکر احمد نے پڑھائی۔ لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ ۲۰ مرتبہ آپ کی جنازہ نماز کرائی گئی۔ قابل ذکر شخصیات میں سید علی بافقیہ، سی محمد فیضی، سید عمر الفاروق، کے پی ہمزہ، سید خلیل بخاری، سید زین العابدین، ڈاکٹر عبدالحکیم ازہری، ڈاکٹر حسین ثقافی، پیروڈ عبدالرحمٰن ثقافی وغیرہ ہیں۔ خبر کے مطابق مرحوم کل رات ۸ بجے اپنے گھر پر اچانک داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ تدفین صحن جامعہ میں آج عمل میں آئی۔ ملک وبیرون ممالک کی اہم شخصیات نے اظہار تعزیت پیش کیا ہے۔ صوفی بزرگ عالم شیخ صباح الدین رفاہی نے بذریعہ ٹیلی فون اظہار تعزیت کی ہے۔ یو اے ای اسلامک ڈیپارٹمنٹ ایڈوائزر سید علی الہاشمی نے بھی افسوس کا اظہار کیا۔ اور آپ کی رحلت کو امت مسلمہ کے لیے عظیم خسارہ قرار دیا۔

جامعہ مرکز کے سربراہ شیخ ابوبکر نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ مرحوم کی علمی ودعوتی خدمات ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ حضرت کا انتقال ملت اسلامیہ کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مرحوم باکمال، علم وعمل کے پیکر مخلص فرد تھے۔ شیخ نے کہا کہ مرحوم نے اہل کیرل کو اسلامی دعوت وفکر، تنظیمی آرگنائزنگ، مدرسہ سسٹم، دینی وعصری تعلیم کا نفاذ، کمیونزم اور مودودی ازم کے ناپاک عزائم سمیت کئی اہم پہلو پر قیادت کی ہے۔ ڈاکٹر عبدالحکیم ازہری نے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ نورالعلماء ہمہ جہت خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ جنہوں نے اپنی خدمت ومحنت سے پوری ریاست کو درخشندہ بنایا۔ آج اہل کیرل ایک قدآور لیڈر سے محروم ہوگئی۔ مرحوم کی وجہ سے کیرالہ متحدہ اسلامی نیٹ ورک میں جڑا ہوا ہے۔ سابق وزیر برائے پبلک ورک ڈیپارٹمنٹ سمیت متعدد ملی ومذہبی شخصیات نے اظہار تعزیت کیا۔

مولانا عبداللطیف سعدی نے بتایا کہ مرحوم طویل عرصے سے جامعہ سعدیہ کے روح رواں تھے۔ آخری سانس تک آپ جامعہ سعدیہ کے درس وتدریس سمیت جنرل منیجر کے فرائض کو انجام دیتے رہے۔ ملک وبیرون ممالک میں آپ کے تلامذہ بڑی تعداد میں خدمت انجام دے رہے ہیں جو سعدی کے نام سے مشہور ہیں۔ حضرت کی شخصیت تحریر وتقریر، درس وتدریس، تصنیف وتالیف میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔ آپ نے اپنی ۵۰ سالہ خدمت میں عربی اردو ملیالم میں ۴۰ سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ کیرالہ مدرسہ سسٹم کے بانی ومہتمم تھے۔ علاوہ ازیں جمعیۃ المعلمین تنظیم کا قیام، سنی یوجنا سنگم کے صدر، سنی جمعیۃ العلماء کیرالہ اول سکریٹری، اسلامک ایجوکیشن بورڈ آف انڈیا کا قیام جیسے اہم تاریخی کارنامے آپ کی زندگی کے اہم پہلو ہیں جسے ریاست کیرالہ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ دینی خدمات کے علاوہ سماجی کام بھی آپ کے ماتحت میں جاری تھا۔ جس کی وجہ آپ کئی ایوارڈ ملے ہیں۔ مرحوم کا تعلق ایک علمی گھرانے سے ہے، کاسرگوڈ ضلع کے تریکاریپور مقام میں 1924 میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبداللہ حاجی تھا۔ پسماندگان میں بیوی خدیجہ سمیت تین لڑکے اور

دولڑکیاں ہیں۔علامہ عبدالقادر کے انتقال سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کیرالہ اپنے قدآور لیڈر سے محروم ہوگیا۔اللہ حضرت کی مرقد پر رحمت وانوار کی بارش کرے اوران کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین)

رپورٹ:عبدالکریم امجدی ثقافی

☆☆☆

دارالعلوم مخدومیہ جوگیشوری ممبئی میں تحریری وتقریری مقابلہ

حسب سابق امسال بھی ممبئی عظمٰی کے عظیم دینی و مرکزی ادارہ دارالعلوم مخدومیہ جوگیشوری ممبئی میں طلبہ کی تنظیم ''بزم فیضان رضا'' کی جانب سے ساتواں آل ممبئی تحریری وتقریری مقابلہ بنام''اکیسواں جشن امام احمد رضا''۲۱فروری ۲۰۱۵ء بروز سنیچر منعقد ہوا۔جس میں ممبئی اور تھانہ ضلع کے مختلف مدارس کے ۷۲طلبہ نے شرکت کی۔

اس اہم تاریخی اجلاس کو چار سیشن میں رکھا گیا تھا پہلے سیشن کا آغاز صبح ۸:۳۰ بجے ہوا،اس میں شرکائے تحریری مقابلہ نے اپنے مقالوں کا خلاصہ پیش کیا۔ پہلا سیشن ۱۲:۴۵ بجے پانچ طلبہ کی تقریروں کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ دوسرا سیشن بعد نماز ظہر ۲:۱۵ بجے شروع ہوا جو ۵:۱۵ بجے عصر کی اذان تک جاری رہا۔اس سیشن میں باقی شرکائے تقریری مقابلہ کی بہترین اور شاندار تقریری ہوئیں۔ بعد نماز عصر ۵:۴۵ بجے تیسرے سیشن کا آغاز ہوا۔جس میں پہلے اور دوسرے سیشن کے بعد بچے ہوئے شرکائے مقابلہ نے تقریریں کیا۔بعد نماز مغرب تا ۱۰بجے طلبائے مخدومیہ اور دوسرے اداروں کے طلبہ نے اپنے طور پر قراءت،نعتیں اور تقریریں پیش کیں۔مقرر خصوصی حضرت علامہ مسعود احمد صاحب قبلہ مصباحی برکاتی کا اصلاح احوال کے حوالے سے پر مغز بیان ہوا۔

تحریری مقابلے کے لیے درج ذیل عناوین منتخب کیے گئے تھے:

(۱)حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے تجدیدی کارنامے(۲) حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کی دینی خدمات(۳) دین میں فقہ کی اہمیت(۴)مسلمان اوراسلامی تہذیب(۵)عصر حاضر میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی افادیت(۶)بد مذہبیت کا بڑھتا ہوا سیلاب اور ہماری ذمہ داریاں

پہلے عنوان کے تحت کل دس مقالے جمع ہوئے:دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا سے۲، دارالعلوم مخدومیہ جوگیشوری سے ۷،مدرسہ اہل سنت رضاء العلوم ساکی ناکہ سے ایک۔دوسرے عنوان کے تحت بھی کل دس مقالے جمع ہوئے:جامعۃ المدینہ فیضان کنزالایمان کھڑک، ممبئی سے ایک، دارالعلوم دیوان شاہ بھیونڈی سے ایک، دارالعلوم مخدومیہ جوگیشوری سے ۸۔تیسرے عنوان کے تحت کل چھ مقالے جمع ہوئے: مدرسہ اہل سنت رضاء العلوم ساکی ناکہ سے ایک، دارالعلوم اہل سنت برکاتیہ جوگیشوری سے ایک، دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا سے۲، دارالعلوم مخدومیہ سے۲۔ چوتھے عنوان کے تحت چار مقالے: دارالعلوم مخدومیہ سے۲، جامعۃ المدینہ فیضان کنزالایمان کھڑک ممبئی سے ایک، دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا سے ایک۔ پانچویں عنوان کے تحت دو مقالے: دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا سے ایک، دارالعلوم مخدومیہ سے ایک۔ چھٹے عنوان کے تحت چار مقالے: دارالعلوم مخدومیہ سے۳، دارالعلوم اہل سنت برکاتیہ سے ایک۔مقالوں کی مجموعی تعداد ۳۶ ہوئی جس میں پہلا انعام دارالعلوم محبوب سبحانی کرلا کے طالب علم محمد مشتاق ضیائی، دوسرا انعام بھی مذکورہ ادارے کے طالب علم محمد عمران خان جبکہ تیسرا انعام دارالعلوم مخدومیہ کے طالب علم محمد عاشق رضا برکاتی نے حاصل کیا۔باقی تمام طلبہ کو تشجیعی وترغیبی انعام سے نوازا گیا۔

تقریری مقابلے کے لیے مندرجہ ذیل عناوین منتخب کیے گئے:

(۱) توحید اور اس کے تقاضے(۲) اسلام امن عالم کا داعی(۳) منشیات کے استعمال کا بھیانک انجام(۴)اسلامی سماج میں جہیز کا بڑھتا ہوا رجحان(۵) اسلام میں پردے کی اہمیت(۶) اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمہ داریاں

پہلے عنوان کے تحت دارالعلوم مخدومیہ سے دو طلبہ، الجامعۃ الرضویہ سے ایک، دارالعلوم علی حسن اہل سنت ساکی ناکہ سے ایک۔دوسرے عنوان کے تحت مدرسہ اہل سنت رضاء العلوم سے ایک، دارالعلوم مخدومیہ سے ایک، دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن سے ایک۔تیسرے عنوان کے تحت دارالعلوم مخدومیہ سے۴، الجامعۃ الرضویہ کلیان سے ایک، دارالعلوم اہل سنت برکاتیہ سے ایک، دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن سے ایک، دارالعلوم محبوب سبحانی سے ایک۔چوتھے عنوان کے تحت جامعۃ المدینہ فیضان کنزالایمان سے ایک، دارالعلوم مخدومیہ سے ایک۔پانچویں عنوان کے تحت دارالعلوم مخدومیہ سے ۷، دارالعلوم اہل سنت برکاتیہ سے ایک، جامعۃ المدینہ فیضان کنزالایمان سے ایک، دارالعلوم علی حسن اہل سنت سے ایک، دارالعلوم محبوب سبحانی سے ایک اور چھٹے عنوان کے تحت دارالعلوم دیوان شاہ بھیونڈی سے ایک، دارالعلوم مخدومیہ سے ۶۔کل ملا کر تقریری مقابلے میں ۳۶ طلبہ نے شرکت کی جس میں پہلا انعام دارالعلوم مخدومیہ کے طالب علم محمد نورالعین، دوسرا انعام دارالعلوم علی حسن اہل سنت ساکی ناکہ کے طالب علم محمد مناظر حسین اشرفی اور تیسرا انعام جامعۃ المدینہ فیضان کنزالایمان کے طالب علم شاہد

رضا نے حاصل کیا باقی تمام شرکا کو ترغیبی انعام سے نوازا گیا۔
تحریری مقابلے کے لیے جج کی حیثیت سے رئیس التحریر حضرت مولانا وارث جمال صاحب قبلہ مصباحی صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت ممبئی، تقریری مقابلے کے لیے فیصل کی حیثیت سے حضرت مولانا مفتی عبدالمجید صاحب قبلہ مصباحی خطیب وامام تیلی گلی مسجد اندھیری ایسٹ ممبئی اور مقرر خصوصی کی حیثیت سے حضرت علامہ ومولانا مسعود احمد صاحب قبلہ برکاتی مصباحی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی، شریک اجلاس ہوئے۔

(رپورٹ: محمد ارشاد احمد مصباحی استاذ دارالعلوم مخدومیہ جوگیشوری)

☆☆☆

رضا اکیڈمی کے اشتراک سے امام احمد رضا اکیڈمی کے زیر اہتمام پرگتی میدان، دہلی میں اعلیٰ حضرت سیمینار

موجودہ دور میں امام احمد رضا کی تصانیف اور تعلیمات ونظریات کی اہمیت واضح کرنے کے لیے دہلی کے پرگتی میدان میں عالمی کتاب میلے کے آخری دن ۲۲ فروری ۲۰۱۵ء بروز اتوار رضا اکیڈمی ممبئی کے اشتراک سے ایک قومی سیمینار بعنوان ''امام احمد رضا بیسویں صدی کا عظیم مصنف'' منعقد کیا گیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوتِ قرآن اور نعت پاک سے ہوا، جامعہ نوریہ رضویہ کے استاد مولانا صغیر اختر مصباحی نے افتتاحی خطبہ پیش کیا۔ سیمینار کا اہتمام رضا اکیڈمی کی جانب سے کیا گیا جس میں ملک کے مختلف گوشوں سے علماے دین نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی حیات و خدمات اور بالخصوص مختلف موضوعات پر ان کی گراں قدر تصانیف اور گونا گوں علمی صلاحیتوں کا احاطہ کیا۔ ممبئی سے تشریف لائے ہوئے نوجوان اسکالر توفیق احسن برکاتی نے ''امام احمد رضا ایک کثیر التصانیف مصنف'' کے عنوان پر سب سے پہلے مقالہ پڑھا جو امام احمد رضا قدس سرہٗ اور تیرہویں صدی کے اہم مصنفین کے تقابلی مطالعہ پر تھا۔
امام احمد رضا اکیڈمی کے سرپرست مفتی محمد حنیف خان رضوی کا مقالہ ''امام احمد رضا اور علم تفسیر وحدیث'' کے عنوان پر تھا۔ ''مولانا غلام رسول دہلوی جامعہ حضرت نظام الدین اولیا نے'' موجودہ دور میں تصانیف رضا کی عالمی اہمیت اور علمی معنویت'' کے عنوان سے سحر انگیز مقالہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کا معیار تحقیق بہت ہی بلند تھا اور ان کی تقریباً تمام ہی تصانیف اپنے اپنے موضوع پر زبردست تحقیقی ذخائر سے مالا مال ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کے اپنوں اور دیگر محققین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ ان کا معیار تحقیق علمی اصولوں سے ہم آہنگ ہے۔ ''امام احمد رضا اکیڈمی کے رکن مولانا صغیر اختر مصباحی نے اپنا مقالہ بعنوان'' فکر رضا کی جدت طرازیاں نظم ونثر کے حوالے سے'' پیش کیا جسے سامعین نے بغور سنا، جب کہ ڈاکٹر محمد شکیل مصباحی نے اپنا مقالہ'' امام احمد رضا کی تصانیف کی تعداد مع تعارف'' کے عنوان سے پڑھا۔ مولانا غلام غوث کا تحقیقی مقالہ'' تصانیف رضا میں امن عالم، انسداد دہشت گردی اور بقائے باہم'' اور محمد علی کا مقالہ'' امام احمد رضا کا نظریۂ جہاد'' کافی پسند کیا گیا۔ مولانا غلام غوث نے دلائل کی روشنی میں کہا کہ امام احمد رضا نے اپنے فتاوی میں غیر مسلموں کے ساتھ پرامن معاملات کا جواز فراہم کیا ہے اور انسانی جان ومال کی حفاظت کو حقوق العباد کا حصہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ امام احمد رضا تکفیر کے سلسلے میں بہت محتاط رویہ کے حامل تھے۔
سیمینار اردو، عربی، انگریزی زبانوں میں مختلف سیشن میں ہوا۔ اردو مقالہ نگاروں میں مولانا اشرف الکوثر مصباحی، ریسرچ اسکالر جامعہ ملیہ اسلامیہ نے'' امام احمد رضا موجد یا مجدد''، مولانا ظفر الدین برکاتی ایڈیٹر ماہنامہ کنز الایمان نے'' امام احمد رضا ایک عبقری مترجم قرآن'' مولانا رکن الدین ریسرچ اسکالر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی نے'' امام احمد رضا اور عصری علوم'' اور مولانا اکرم رضا ریسرچ اسکالر جامعہ ملیہ اسلامیہ نے'' امام احمد رضا اور سماجی علوم'' مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی ایڈیٹر سواد اعظم نے'' کنز الایمان کا تاریخی جائزہ'' کے عنوان سے اپنے مقالات پیش کیے۔
عربی میں محمد نعیم مصباحی ریسرچ اسکالر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کا مقالہ'' امام احمد رضا کا نظریۂ تعلیم'' مولانا عظیم الدین ازہری کا مضمون'' عربی زبان کے فروغ میں شیخ احمد رضا کا حصہ'' قابل ذکر ہیں۔
ان کے علاوہ اس سیمینار میں متعدد ریسرچ اسکالرس، دانشوران اور علما نے تصانیف رضا کی جامعیت کے حوالے سے مقالات پیش کیے۔ سیمینار کی صدارت مولانا حسان رضا خاں، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ رضویہ تحسینیہ نے کی، رضا اکیڈمی کے جنرل سکریٹری الحاج محمد سعید نوری صاحب اور حضرت مولانا انوار احمد امجدی مالک کتب خانہ امجدیہ دہلی کے مشترکہ تعاون سے یہ پروگرام کافی کامیاب رہا۔ جب کہ قابل ذکر رضا کاروں میں عادل حبیبی، سید تبریز، مشاہد ملک، سید حیدر زماں خان اویس اور فیضان تھے۔ سیمینار میں کثیر تعداد میں علما وعوام نے شرکت کی۔
(بشکریہ مسلم ٹائمز ممبئی)

●●

قارئین کے خیالات وتاثرات

از: عطاء الرحمان نوری/ محمد آزاد رضا

کیا قوم مسلم معمولات کی بدترین سطح پر آ چکی ہے؟

مسلمانوں کے احوال پر ایک طائرانہ نظر دوڑائیے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم خود نہیں چاہتی ہے دنیا وآخرت میں کامیاب ہونا۔ یوں لگتا ہے کہ پوری دنیا میں ہر محاذ پر شکست وناکامی کے احساس کے باوجود ہم مسلمان خوش وخرم ہے۔ عبادتوں میں سُستی تو جگ ظاہر اور معاملات کی خرابی اپنے شباب پر۔ شاید ہمیں اس اب اس بات کی بھی فکر نہیں کہ ہماری وجہ سے اللہ کا پسندیدہ مذہب بدنام ہورہا ہے۔ حساس لوگ قرآن واحادیث کا مطالعہ کرکے اسلام سے متاثر تو ہوتے ہیں مگر مسلمانوں کے کردار، افعال اور معمولات کو دیکھ کر بدظن ہوجاتے ہیں۔

ہمارا حال تو یہ ہو چکا ہے کہ بڑے سے بڑے مقرر کو مدعو کرلیجیے، ہزاروں کا مجمع جمع کرلیجیے، کچھ گھنٹے کے لیے حرارت ایمانی کا مظاہرہ ہوتا ہے، نعرۂ تکبیر کی پرسوز صدائیں بلند ہوتی ہیں، اس کے بعد وہی سب کیا جاتا ہے جو نفس مطالبہ کرتا ہے۔ اسی طرح بہترین اور مضبوط قلم کے دھنی سے اصلاحی مضامین وکتابیں لکھوا لیجیے، پڑھتے وقت سبحان اللہ اور داد وتحسین کے کلمات تو زبان سے ادا ہوتے ہیں مگر وہی کیا جاتا ہے جو شریر نفس کہتا ہے۔

مسلمانوں کے معاملات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ لکھتے ہوئے بھی شرمندگی کا احساس ہورہا ہے۔ اعمال کا گناہ تو دور مسلمان اب برائی بھی محسوس نہیں کررہے ہیں مثلاً: ایک بے گھر مسلمان کو ایک رحمدل شخص نے اپنا مکان کرائے سے دیا، دس بیس سال گزرنے کے بعد مالک مکان کو اپنے بچوں کی شادی بیاہ کے لیے گھر کی ضرورت پیش آئی، ایک ماہ پہلے ہی اطلاع کردی گئی کہ آپ کسی اور جگہ کا بندوبست کرلیجیے، مگر اب کرایہ دار ہدیۂ تشکر پیش کرنے کی بجائے مکان مالک سے پچاس ہزار کا مطالبہ کرنے لگے۔ قارئین کرام بھی خود اس بات کے گواہ ہوں گے کہ بہت سے پرانے کرایہ دار مکان خالی کرتے وقت کس قدر بھاری بھرکم رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ بے سروسامانی کے عالم میں جس شخص نے سرڈھانپنے کے لیے چھت فراہم کی اس کا شکریہ ادا کیا جاتا مگر افسوس صد افسوس! شکریہ کا نذرانہ ادا کرنے کی بجائے پیسوں کی خواہش۔ کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے؟ کیا ہمارے اس عمل کی وجہ سے کل کوئی انسان کسی مسلمان کی مدد کرے گا؟

اسی طرح اکثر لوگوں کا یہ طریقہ بن چکا ہے کہ اپنی ڈیوٹی سے فراغت کے بعد ان کے پاس صرف دو کام ہوتے ہیں۔ اوّل بال بچوں کے ساتھ ٹیلی ویزن پر فلمیں ڈرامے اور کامیڈی سیریلس دیکھنا اور دوّم دوستوں کے ساتھ ہوٹلوں پر گپیں ہانکنا۔ جن سے اپنے گھر کے مسائل نہیں سلجھتے وہ وہائٹ ہاؤس کی گتھیوں کو سلجھانے کی احمقانہ کوشش کرتے ہیں۔ جو وقت ذکر وعبادت میں گزارنا چاہیے، جو وقت گھریلوں ذمہ داریوں اور مسائل کے حل پر دینا چاہیے، جو وقت بچوں کی تربیت پر دینا چاہیے اور جو وقت بچوں کے ہوم ورک اور اسکول ومدرسے کے سبق یاد کرانے پر دینا چاہیے، وہ تمام وقت والدین ٹیلی ویزن اور گپیں ہانکنے کی نذر کردیتے ہیں۔ ایسے معمولات میں کیا بچوں میں اعلیٰ اخلاق کی توقع کی جاسکتی ہے؟

اسی طرح آپ دیکھ لیجیے، بہت سے ایسے گھرانے آپ کو نظر آئیں گے جہاں ایک چھوٹی سی کھولی میں بوڑھے ماں باپ کسمپرسی اور قید خانہ کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔ صرف دو وقت کی روٹی ان کے سامنے رکھ دی جاتی ہے۔ تہواروں پر خود کے لیے اور بیوی بچوں کے لیے اعلیٰ وعمدہ کپڑوں کی خریداری اور والدین کے لیے سستے لباس کی تلاش۔ کیا صرف دو وقت کا کھانا کھلا دینا ہی ماں باپ کا حق ہے؟ کیا اسلام نے والدین کے بس اتنے ہی حقوق وفرائض بیان فرمائے ہے؟ گھریلو مسائل کس گھر میں نہیں ہوتے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ بوڑھے والدین کو ایک کمرے میں قید کردیا جائے۔ اسلام تو یہ

کہتا ہے کہ والدین پر اسی طرح شفقت، محبت اور مروت سے پیش آؤ جیسا رحم انہوں نے ہم پر بچپن میں کیا تھا۔ افسوس! قوم سے فرامین خدا اور سول کے احکامات پر عمل کرنے کا احساس بھی جاتا رہا۔ الا ماشاء اللہ۔ جو بچہ اپنے ماں باپ کا نہیں ہوسکتا اس سے پڑوسیوں اور اہل محلّہ کے حقوق کی ادائیگی کی امید کیسے کی جاسکتی ہے؟

اعلیٰ تعلیم کے لیے بچوں کے داخلے کے وقت بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑی بڑی ڈگریاں دلانا غریبوں کے بس کی بات نہیں۔ میں کہنا چاہتا ہوں یہ فکر اس وقت کیوں پیدا ہو رہی ہے جب بچہ کالج اور یونی ورسٹی کی دہلیز پر قدم رکھنے والا ہے۔ یہ فکر غریب باپ کے دل میں اس وقت کیوں نہیں پیدا ہوئی جب وہ ہزاروں روپیہ سنیما گھروں میں خرچ کر رہا تھا۔ یہ فکر اس وقت کہاں گئی تھی جب غریب باپ ہزاروں روپے چائے کی چسکی، سگریٹ کے دھنویں، پان کی پیک اور گٹکے کے تھوک میں اڑا رہا تھا، چھوٹی چھوٹی رسومات وتہواروں کا بہانہ لے کر مختلف مقامات کی سیر سپاٹے میں ہزاروں روپے اڑاتے وقت یہ فکر کیوں نہیں پیدا ہوئی؟ اگر پہلے سے منصوبہ بنایا جاتا، سرمایہ کاری کی جاتی تو نہ صرف بچہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتا بلکہ تعلیم کے بعد بچے کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے لیے بھی بھرپور سرمایہ ہوتا۔ اپنی فضول خرچیوں پر پابندی لگائیے تو تعلیمی محاذ پر کامیاب ہونا یقیناً ممکن ہے۔ اپنے منصوبہ بندی کے فقدان کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دینا کہ اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کرنا غریب کی بساط سے باہر ہے کہاں کی عقل مندی ہے؟

آج ایک مزدور بھی بڑے سے بڑا اینڈرائیڈ ہینڈسیٹ رکھ رہا ہے۔ مہینے کا پانچ سو روپے کا نیٹ ریچارج کر رہا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ہم مزدوروں کے اعلیٰ وعمدہ موبائل فون رکھنے کے خلاف ہے بلکہ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جو کام ایک معمولی سے فون سے ہوسکتا ہے تو کیا ضرورت ہے فضول خرچی کرنے کی۔ جو کام سائیکل سے ہوسکتا ہے اس کے لیے موٹر سائیکل کی کیا ضرورت؟ دراصل مسلمان دن بہ دن خواہشات میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں اور اپنی خواہشات کو ضرورت کا نام دیا جارہا ہے۔ دکھاوا اور ریاکاری کا مرض ہمارے سماج میں جڑ پکڑ چکا ہے۔ ذرا تنہائی میں بیٹھ کر سوچیے کہ کیا اسلام اس طرح کی فضول خرچی کی اجازت دیتا ہے۔ اسلام ہمارے اسٹینڈر نظر آنے، ہائی فائی سسٹم اپنانے، شوق وخواہشات کی تکمیل کرنے سے نہیں پھیلا ہے، اسلام پھیلا ہے مسلمانوں کے اخلاق، کردار اور معمولات کو دیکھ کر۔ خدارا خدارا! اپنے اعمال ومعمولات کو سدھاریئے، مت کیجیے اپنی ذات سے اسلام کو بدنام۔ اگر ہم اسلام کو فائدہ نہیں پہنچاسکتیں تو کم از کم نقصان نہ پہنچائیں۔

از: عطاء الرحمٰن نوری، مبلغ سنی دعوت اسلامی، مالیگاؤں، ضلع ناسک

☆☆☆

جہیز اور موجودہ معاشرہ

نسل انسانی کی بقا توالد وتناسل پر ہے اور توالد وتناسل کی بنیاد نکاح پر ہے۔ انسان چاہے کسی بھی معاشرے سے تعلق رکھتا ہو، اپنے مذہب کے مطابق شادی بیاہ ضرور کرتا ہے۔ بہت سے مذاہب میں سنیاسی اور رہبانی زندگی کو معرفت سے حق سے زیادہ قریب بتایا گیا ہے، لیکن اسلام چوں کہ مذہبِ فطرت دینِ وسط ہے۔ اس میں تقرب الی اللہ حاصل کرنے کے لیے ترک دنیا اور اس کی رنگینیوں سے بے نیاز ہوجانے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ بلکہ جو اس دنیا کی ہنگامہ آرائیوں میں رہ کر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگی بسر کرے وہ اللہ کا مقرب بندہ بن جاتا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں بہت سی ایسی برائیوں نے جڑ پکڑ لیا ہے جو ہمارے لیے باعث تشویش اور پریشان کن ہیں۔ جن کی وجہ سے اسلام جیسے معتدل اور سچے مذہب کو بدنامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان غلط رسم ورواج کی وجہ سے ایک مسلمان اور غیر مسلم میں فرق کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ جائز وناجائز کی پرواہی نہیں رہتی۔ ان خرافات کا نام ونمود کے علاوہ شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ جہالت اور دین سے دوری کے شاخسانے ہیں۔ انہیں خرافات میں سے ایک رسم جہیز کی بھی ہے۔ موجودہ معاشرے میں جہیز نے جو صورت اختیار کر لی ہے وہ بے شمار برائیوں کا پیش خیمہ ہے۔ اس کی وجہ سے مسلمان دینی اور دنیوی دونوں طرح کے نقصانات سے دوچار ہیں۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ بہت سی غریب لڑکیاں کنواری گھر بیٹھی رہ جاتی ہیں۔ ان میں بعض رفتہ رفتہ آوارگی اور بدچلنی کا بھی شکار ہوجاتی ہیں۔ وقتی طور پر کسی طرح نکاح ہو بھی گیا تو قلت جہیز کی وجہ سے ان کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے اور وہ نعمت جس کو اسلام نے ایک عظیم رشتہ کی شکل عطا کی ہے، خون خرابے اختلاف وفساد کا باعث بن جاتی ہے۔ لڑکیوں کو کوسا جاتا ہے یعنی طعن

ان کی زندگی کا ایک حصہ بن کر رہ جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بے شرمی کی انتہا اس وقت ہو جاتی ہے جب یہ خبر سننے میں آتی ہے فلاں لڑکی کو جلا کر یا کسی دوسری طرح قتل کر دیا گیا ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہے کہ غریب باپ اپنی بیٹی کا گھر بسانے یا داماد کا منہ بھرنے کے لیے جہیز کے انتظام وانصرام میں در در کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ مختلف دشواریوں سے دوچار ہوتا ہے اور جب امید کی کرن نظر نہیں آتی قرض کے لیے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے اور اگر بے سودی قرض نہ ملے تو سود پر قرض لیتا ہے۔ قرآن حکیم نے جس کی سخت مذمت کی اور اسے حرام قرار دیا ہے: اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔

اس سامان کو جہیز کہتے ہیں جو مسافر یا دلہن کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ ماں باپ کچھ کپڑے کچھ زیورات کچھ سامان وغیرہ لڑکی کو دے کر رخصت کرتے ہیں، اس کو جہیز کہتے ہیں یقیناً یہ صورت جائز ہے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ کو بھی کچھ سامان بصورت جہیز دیا تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ لڑکی کے والدین کو نقدی یا کسی خاص جہیز کو دینے پر مجبور کیا جائے۔ اگر والدین مذکورہ اشیا بھی نہ دیں تب بھی ان پر کوئی عتاب نہیں۔ یہ والدین کی محبت وشفقت ہے کہ اپنی بساط بھر ساز وسامان دے کر رخصت کرتے ہیں۔ ماں باپ پر لڑکی کو جہیز دینا فرض یا واجب نہیں مگر آج کل شفقت ومحبت پر نام ونمود کی خواہش غالب ہے۔

دولت کی ہوس میں لڑکے والے باضابطہ روپیوں کی فرمائش کرتے ہیں اور اگر صراحۃً نہیں مانگ پاتے تو کم از کم اتنا ضرور کہہ دیتے ہیں کہ فلاں جگہ کے رشتے والے اتنی رقم دے رہے تھے تاکہ وہ بھی اتنا جہیز دینے پر مجبور ہو جائے۔ شریعت میں جہیز کی کوئی اہمیت نہیں۔ قرآن وحدیث میں حقوق زوجین پر تفصیلی بحث موجود ہے۔ نکاح وطلاق اور دیگر معاشرتی مسائل سے کتب فقہ بھری پڑی ہیں لیکن جہیز کے مسئلے میں قرآن بالکل خاموش ہے۔ علمائے متقدمین نے بھی جہیز پر بحث نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ جہیز کا اس زمانے میں یا تو وجود ہی نہیں تھا۔ یہ تو ہندو کا طریقہ اور ہم اس کو اپنے گلے کا ہار سمجھ کر اسے عملی جامہ پنا لیا ہے۔ بعد میں جب اس کا رواج ہوا ہے تو علمائے کرام نے اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ پرانے زمانے میں لڑکی والوں کی طرف سے لڑکے والوں سے مالی تعاون کا مطالبہ ہوتا تھا کہ معقول مقدار میں لڑکی والوں کے عوض میں وہ مال ادا کریں تو ہم اپنی بیٹی کا نکاح کریں گے، لیکن شومیِ قسمت آج کے دور میں معاملہ بالکل برعکس ہو گیا ہے۔ شادی سے پہلے لڑکے والوں کی جانب سے لڑکی والوں سے نقدی یا موٹر سائیکل اور دیگر بھاری بھرکم سامانوں کا مطالبہ بڑی شدت کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہی نہیں آج اسے متمول طبقہ میں فخر و مباہات کا ذریعہ سمجھا جانے لگا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب کوئی شخص نکاح کرتے وقت یہ پوچھتا ہے کہ عورت کیا لائے گی تو سمجھ لو کہ وہ چور ہے لہٰذا اس کے ساتھ نکاح مت کرو۔

اس حدیث میں جہیز والوں کے لیے کتنی صراحت کے ساتھ وعید سنائی گئی ایک مسلمان کے لیے یہی چند ارشاد کافی ہیں۔ جن سے بغیر ضرورت کے سوال کرنے کی خدمت کا اندازہ لگا جا سکتا ہے۔ آج جہیز کا مطالبہ اکثر زر طلبی اور فخر ومباہات کے لیے ہی ہوتا ہے اس لیے جہیز کا مطالبہ کرنے والوں پر یہ ارشادات پورے طور پر صادق آتے ہیں۔ عوام الناس کا اس مرض میں مبتلا ہونا پوری قوم کے لیے باعث تشویش اور لمحہ فکر یہ ہے۔ یہ مرض اسلامی اقدار اور روایات کو پامال کر رہا ہے جس اسلام نے ایک دوسرے کو ہمدردی اور بھائی چارگی کا درس دیا ہے اسی کے پیروکار چند کوڑیوں کے لالچ میں ایک دوسرے کی آبروریزی اور اس کی چادر عفت تار تار کرنے لیے درپے ہو گئے ہیں۔ نکاح کے جہاں دوسرے بہت سے نیک مقاصد ہوتے ہیں۔ وہیں ایک اہم مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ دو خاندانوں کے درمیان گوار رشتہ پیدا ہو جائے اور ان کے درمیان محبت واخوت کے رستے ہموار ہوں۔ اس کا یہ مقصد ہمیشہ حاصل ہوتا رہا ہے مگر افسوس موجودہ جہیز کی لعنت نے جہاں ان تمام نیک مقاصد پر پانی پھیرا ہے وہیں اس کا ایسا اثر ظاہر ہوا جو مقصد مناکحت کے خلاف ہے یعنی باہمی فتنہ وفساد جہیز سے معاشرہ کا امان غارت ہو گیا ہے۔

از: محمد آزاد رضا متعلم جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ممبئی۔

●●

منظومات

نتیجۂ فکر عرفاؔن احمد جاہدی / غیاث الدین احمد عارفؔ مصباحی

نعت پاک

شاہوں سے بڑھ کے آپ کے در کا غلام ہے
کتنا بلند میرے نبی کا مقام ہے

افضل اسی لیے ہے شبِ قدر سے وہ رات
جس رات میں رسولوں کا آیا امام ہے

قائم رخِ نبی سے ہے ہر صبح کا وجود
وابستہ ان کی زلفوں سے ہر ایک شام ہے

ان کا پسینہ عطر ہے حورانِ خلد کا
مشک وختن کا جس سے معطر مشام ہے

توحید کے چراغ صنم خانوں میں جلے
یہ سارا فیضِ آمدِ خیرالانام ہے

بعثت سے ان کی گلشنِ ہستی مہک اٹھا
موجِ بہار ان کے تبسم کا نام ہے

قل انما انا بشر مثلکم کے بعد
یوحیٰ الیّ بھی تو نبی کا مقام ہے

جلوے نہاں ہیں ان میں الم کے
وہ جن کا قد الف ہے تو زلفوں میں لام ہے

قرآن خود گواہ ہے عرفاؔن باخدا
ہر بات مصطفیٰ کی خدا کا کلام ہے

نتیجۂ فکر: عرفاؔن احمد جاہدی
باسنی، ناگور، راجستھان

منقبت در شان صوفی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ

کس قدر ہے ذی وجاہت صوفیِ ملت کی ذات
بالیقیں ہے اک کرامت صوفیِ ملت کی ذات

جس کی رگ رگ میں بسا ہے ذکرِ رب، عشقِ رسول
جس کا ہر لمحہ عبادت صوفیِ ملت کی ذات

زینتِ بزمِ سنن ہیں شمعِ بزمِ مصطفیٰ
منبعِ علم و صداقت صوفیِ ملت کی ذات

کہتے ہیں اہلِ جہاں زندہ ولی جس ذات کو
ہے وہی سرِ ولایت صوفیِ ملت کی ذات

ہیں مثالِ شمع روشن درمیانِ اولیا
نورِ ایماں کی علامت صوفیِ ملت کی ذات

سنتوں کے آئینے میں ہر قدم جن کا اٹھے
پیکرِ زہد و شرافت صوفیِ ملت کی ذات

ان کی خدماتِ جلیلہ پر بجا ہے یہ کہوں
فرد کیا ہے اک جماعت صوفیِ ملت کی ذات

احسن العلماء نے جن کو کر دیا اتنا حسن
ہوگئی رشد و ہدایت صوفیِ ملت کی ذات

ان کے دامن میں ملے گی تم کو اے عارفؔ نجات
کیونکہ ہے بحرِ سخاوت صوفیِ ملت کی ذات

نتیجۂ فکر: مولانا غیاث الدین احمد عارفؔ مصباحی
دار العلوم سعید العلوم یکمہ ڈپو، مہراج گنج، یوپی۔

R.N.I. No. MAHURD/2005/15755
Vol.: 05 Issue No. 4
April 2015
Publishing Date: 10 - 13
every Advance Month

Rs. 15/-

Sunni Dawat-e-Islami
Monthly

WPP LICENSE NO: MR/TECH/WPP-197/EAST/2014-15
Postal Registration: MH/MR/East/247/2013-15
Total Pages: 60
Posting Date: 16 & 17
every Advance Month

Syed Ashique Shah Bukhari Masjid, 128, Shaida Marg, Char Nal, Dongri, Mumbai-09

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نامِ رضا تم پہ کروڑوں درود

سرزمین مالیگاؤں پر
سوادِ اعظم اہلسنت و جماعت کی عالمگیر تحریک
سنی دعوتِ اسلامی کا

۲ روزہ عظیم الشان

سُنّی اجتماع

مقررین خصوصی

سیاحِ یورپ و امریکہ داعیٔ کبیر حضرت علامہ حافظ و قاری
محمد شاکر علی نوری صاحب قبلہ
(امیر سنی دعوتِ اسلامی ممبئی)

محقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ
مفتی محمد نظام الدین صاحب قبلہ
(صدر مفتی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور)

عالمی شہرت یافتہ نعت خواں ...
قاری محمد رضوان خان صاحب
پرنسپل ہاشمیہ ہائی اسکول ممبئی

ان کے علاوہ ملک و بیرون ملک کے علماء کی آمد متوقع

زیرِ نگرانی
آلِ رسول حضرت مولانا
الحاج سید امین القادری صاحب قبلہ
نگراں سنی دعوتِ اسلامی شاخ مالیگاؤں

نوٹ: ۱۷ اپریل بروز جمعہ کو نمازِ جمعہ اجتماع گاہ میں ہی ادا کی جائیگی

عورتوں کیلیے
۱۶ اپریل ۲۰۱۵ بروز جمعرات صبح ۱۰ بجے سے نمازِ مغرب تک

مردوں کیلیے
۱۷ اپریل ۲۰۱۵ بروز جمعہ صبح ۱۰ بجے سے رات ۱۰ بجے

بمقام
نزد دار العلوم حنفیہ سنیہ، دریگاؤں ناکہ، آگرہ روڈ، مالیگاؤں (ناسک) مہاراشٹر

اپیل: برادرانِ اسلام کثیر تعداد میں شرکت فرما کر اپنے قلوب کو منور و مجلی کریں

الداعی: عالمی تحریک سنی دعوتِ اسلامی شاخ مالیگاؤں ضلع ناسک

मुकर्रिरे खुसुसी
खलीफ-ए-सैय्यद-ए-मिल्लत हज़रत अल्लामा हाफिज व कारी
मोहंमद शाकीर अली नुरी साहब किबला
(अमीर – सुन्नी दावते इस्लामी, मुंबई)

सर ज़मीन मालेगांव पर आलमी तहेरीक सुन्नी दावते इस्लामी का

बतारीख
१६,१७, एप्रील २०१५ बरोज़ जुमेरात
जुमा सुबह १० बजे से रात १० बजे तक

बमुकाम
नज़द दारुल उलूम हनफिया सुन्निया,
दरेगांव नाका, आग्रा रोड,
मालेगांव (नाशिक) महाराष्ट्र

अद्दाई
आलमी तहेरीक
सुन्नी दावते इस्लामी शाख
मालेगांव जि. नाशिक

Printer, Publisher & Editor: Irfan Ibrahim Kaludi